ماہنامہ
براہِ راست
لاہور
جلد 11 شمارہ 11
نومبر 2025ء

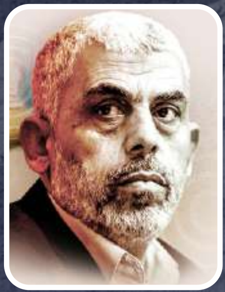

یحییٰ ابو ابراہیم السنوار
شہادت گہہِ الفت کا راہی

غزہ
فلسطینیوں کا وطن؟
یا
امریکہ اور حواریوں کی تفریح گاہ
فیصلہ کرنے والے جیت نہ سکے

ڈاکٹر مروان البرغوثی
غازیوں کا سالار

وزیر خزانہ سموٹریش
میں فاشسٹ ہوں

غزہ کے بچے، ان کی مائیں، اس کے مجاہد سب ایک عہد کی تمثیل، وہ دنیا کو یاد دلا رہے ہیں کہ ’مزاحمت ہی آزادی کی کنجی‘ ہے۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد
اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ
براہِ راست
لاہور

جلد 11 شمارہ 11 نومبر 2025ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com
برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com
برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

- کلام اقبال
- اداریہ

اسرائیلی یرغمالیوں کی واپسی کی تاریخیں بدلتے رہے

حماس نے ٹرمپ پلان پر کیا لائحہ عمل اپنایا

آئندہ نسلوں کر درپیش چیلنجز سنجیدہ عمل کے متقاضی

اسرائیل پر نسل کش جنگ کے اثرات

- غزہ میں تباہی کا سوداگر: امریکہ
- مزاحمت قید کی زنجیریں توڑنے کی کلید
- یحییٰ ابوابراہیم السنوار شہید: آزادی کا پرچم تھامے رہے
- مروان البرغوثی: فلسطینی جدوجہد کی علامت اور قومی وحدت کا استعارہ
- مغربی کنارہ: سموٹریک کی علانیہ فاشزم کے آگے بے بس
- غزہ: سب پامالیاں اسرائیل کے لیے جائز؟

کلامِ اقبال

میری نوائے شوق سے شور حریمِ ذات میں

میری نوائے شوق سے شور حریمِ ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بت کدۂ صفات میں

حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں
میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں

گرچہ ہے میری جستجو دیر و حرم کی نقشبند
میری فغاں سے رستخیز کعبہ و سومنات میں

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ اُلجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

تو نے یہ کیا غضب کیا! مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

ادار یہ

غزہ: صہیونیت شکست خوردہ!

اسرائیل اپنی تاریخ میں پہلی مرتبہ شدید خلجان زدہ ہے۔ اب غزہ پر ٹرمپ پلان کے پہلے مرحلے پر عمل درآمد یرغمالیوں کی واپسی اور فلسطینی قیدیوں کی رہائی، جنگ کے مقاصد غیر واضح ہونے، قابض حکومت کے غیر یقینی مستقبل، امریکی رائے عامہ میں اسرائیل کے بڑھتے منفی تاثر، فلسطین کے حق میں انتخابی مہم کے دوران ظہران ممدانی کی تنقید اور دیگر عوامل نے ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے جو اسرائیلی سیاست کو داخلی خلفشار، صہیونیت کے سرنگوں رہ جانے اور ''غزہ پر قبضہ'' میں ناکامی نے نہایت پیچیدہ اور مایوس کن بنا دی ہے۔

یہ ظاہر ہے اسرائیل ٹرمپ پلان کے ذریعے اپنی فوج کے غزہ سے نکالے جانے کے پیدا شدہ تاثر کو زائل کرنے کے لیے کم از کم 250 فلسطینی شہید کر چکا ہے۔ اس کا توپ خانہ، ٹینک رجمنٹ اور فضائی حملے سب اس تاثر کو یوں ختم کرنا چاہتے ہیں کہ جب اور جیسے اسرائیل کے جنگی جرائم میں ملوث حکمران بہ شمول نیتن یاہو اثرات میں یہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے کہ اسرائیلی رائے جنگ مخالف ہوتی جا رہی ہے جب کہ نیویارک کے میئر کے انتخابات میں ظہران ممدانی کی قبولیت، مقبولیت اور کامیابی نے پہلی مرتبہ ایسی فضا پیدا کر دی ہے، جسے جلد تبدیل کرنا ناممکن نہیں رہا ہے۔

امریکہ اقوام متحدہ میں ایک ایسی قرارداد لانے کے لیے کام کر رہا ہے جو ایک طرف غزہ میں حماس کے متبادل نظام کی راہ ہموار کر سکے اور دوسری طرف غزہ میں متعدد ملکوں کی مشترکہ فوج لائی جا سکے۔ اس قرارداد پر کام امریکہ کر رہا ہے جب کہ اس کا ڈرافٹ تل ابیب میں تیار کیا جا رہا ہے۔ اس طرح یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ میدان جنگ کی واضح شکست کو میز پر مذاکرات کی جنگ سے جیتا جا سکے۔

اسرائیل میں پہلا تاثر ہی بنیاد کو کھوکھلا ہونے کا سبق دے رہا ہے۔ رائے عامہ تیزی سے اس جانب متحرک ہو رہی ہے کہ غزہ جنگ کے مقاصد حاصل نہیں کیے جا سکے اور اسرائیل کا بیرونی قرضہ 1400 ارب ڈالر سے بڑھ گیا ہے۔ اس صورت حال نے تعلیم، صحت عامہ اور کاروباری سرگرمیوں کو منفی اثرات کے حوالے کر دیا ہے۔ حماس کا خاتمہ نہیں ہو سکا اور وہ غزہ میں اب بھی اسرائیلی قیدیوں کے ساتھ فلسطینی قیدیوں کا کامیاب تبادلہ کر رہی ہے۔

دوسرا منفی تاثر نیتن یاہو حکومت کا خود ہے۔ نیتن یاہو کا سیاسی مستقبل غیر یقینی صورت حال کے بادلوں کی لپیٹ میں ہے۔ اسرائیل کے اندر نیتن یاہو، ایتمار بن غفیر اور سموٹریش کی ٹرائیکا کا استعفیٰ طلب کرنے والی عوامی ردعمل کی پن چکی تیز ہوتی جا رہی ہے۔ اب یہ مطالبہ بھی سامنے آ رہا ہے کہ حکومت اپنے دعوے کی آزادانہ تحقیقات کرائے کہ سات اکتوبر 2023ء کو پیدا کیا گیا ڈرامہ حکومت نے سٹیج کیا تھا اور وہ سراسر جھوٹ تھا۔

تیسرا منفی تاثر یہ ابھرا ہے کہ اسرائیلی سیاست میں نیتن یاہو نے بالخصوص ملکی وقار پر کاری ضرب لگائی ہے۔ غزہ کے اندر فلسطینیوں کی خوراک، ادویات اور دیگر سہولتوں پر سخت قدغن نے ہولوکاسٹ کے اسرائیلی و یہودی ماضی کو وہیں تک محدود کر دیا ہے۔ کل تک یہود مخالف (Antisemitic) بات کرنا دنیا بھر میں ایسا جرم سمجھا جاتا رہا جس کے کرنے والے کو کہیں بھی نشان عبرت بنایا جاتا تھا۔ اب خود امریکہ میں اسرائیل لابی لرزہ براندام ہے۔ فلسطین کی آزادی کے نعروں نے بیشتر یونیورسٹیوں کا ماحول تبدیل کر دیا ہے۔ آنے والے کل کے معمار آج اسرائیل کو جارحیت پسند اور انسانیت کا مخالف نہیں، بل کہ دشمن قرار دینے میں سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔

اس منفی تاثر کو امریکہ میں زائل کرنے کے لیے (Faith through Worths) کو ہائر کیا گیا ہے۔ اس مسیحی صہیونیت کو متحرک رکھنے اور evangelical christians میں اسرائیل کا امیج بہتر بنانے کا کام سونپا گیا ہے۔ امریکہ میں ہونے والے اسرائیلی ایماء پر سروے بتا رہے ہیں کہ صہیونی ریاست شکست خوردہ ہے۔ یونیورسٹی آف میری لینڈ اور دوسرے اداروں نے اپنے اپنے سروے کیے ہیں۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ اسرائیل امریکہ میں اپنی سرگرم حمایت کھو رہا ہے۔ اس وجہ سے اس کے لیے کام کرنے والی لابیوں بالخصوص آئی پیک (AIPAC) اور کونسل آف فاران افیئرز

کی مشکلات کئی گناہ بڑھ گئی ہیں۔امریکی مسیحیوں میں غزہ پر اسرائیلی حملوں اور خوراک کی بندش نے بہت مخدوش حالات پیدا کر دیے ہیں۔مذکورہ فرم کو یہی کہا گیا ہے کہ اسرائیل کا تاثر کس طرح بہتر ہو، اسے مزید گرنے سے کیسے بچایا جا سکتا ہے۔

سوشل میڈیا میں ٹک ٹاک، پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔اس سوشل پلیٹ فارم سے امریکی حکومت بھی خوفزدہ ہے۔غزہ جنگ کے بارے میں اس سے اسرائیل اور بالخصوص صہیونی پر کاری ضرب پڑی ہے۔کہا جارہا ہے کہ فلسطینی حلقے اپنے ریفرنس کو استعمال کیے بغیر اس پر مسلسل کام کر رہے ہیں۔اس لیے ایک ریٹائرڈ اسرائیلی جرنیل کو اس کا ایڈمنسٹریٹر بنا دیا گیا ہے۔

ایک اور پلیٹ فارم (X) ہے۔اس پر اسرائیل کا امیج بہت منفی طور پر متاثر ہوا ہے۔یہ سننے میں آ رہا ہے کہ اس کے مالک ایلون مسک سے بات ہو رہی ہے۔وہ صدر ٹرمپ کے ذاتی دوست ہیں۔ان کو اسرائیل کا بھی دوست کہا جاتا ہے۔اسرائیل سوشل میڈیا کی جنگ میں اس پلیٹ فارم کو اہم قرار دیتا ہے۔

ایک بات اور کہی جا رہی ہے کہ اسرائیل 400 ارب ڈالر اور خود امریکہ 37 کھرب ڈالرز کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔اب احتجاج کا رخ یہ ہے کہ اسرائیل بندوق چلانے کے لیے ہمارا کندھا استعمال کر رہا ہے۔

یہ بات بڑے شدومد سے امریکہ اور اسرائیل دونوں مقامات پر کی جانے لگی ہے کہ نیتن یاہو نے قیدیوں کا مسئلہ درست طریقے سے ہینڈل نہیں کیا ہے۔جنگ کو طویل کرنے، حماس کی آفرز کے باوجود اس سے قیدیوں کی واپسی میں تاخیر اور غزہ پر مسلسل حملوں نے اسرائیلی قیدیوں میں سے متعدد کی ہلاکت کو نظرانداز کیا گیا۔حماس کہتی رہی کہ ڈیل کرو اور جنگ بند کرو، سارے قیدی رہا کر دیں گے لیکن نیتن یاہو نے ہر بار اس وقت حملہ کیا جب ڈیل فائنل ہونے لگتی تھی۔

جنگ کے مقاصد واضح نہ ہونے سے بھی اسرائیل کو بھاری مالی بوجھ برداشت کرنا پڑا۔اول تو جس خود ساختہ حملے کو بنیاد بنا کر حملہ کیا گیا، وہ غلط تھی۔پھر حماس کے خاتمے تک جنگ جاری رکھنے کے اعلانات کیے جاتے رہے۔غزہ سٹی پر قبضے میں ناکامی نے اسرائیلی سرمایہ کاروں کے کروڑوں ڈبو دیے جو وہاں رئیل اسٹیٹ کا کاروبار کرنا چاہتے تھے۔

جنگ کے دوران غیر واضح رہا کہ جنگ کے بعد اسرائیل کو غزہ سے کیا ملے گا، اس کی حکومت کا عمل دخل کیا ہوگا؟ کہا گیا کہ فلسطینی اتھارٹی غزہ سنبھالے گی۔جو اتھارٹی زمین پر برائے نام موجود ہے، اسرائیلی پولیس کے مفادات کا مغربی کنارے میں تحفظ نہیں کرتی۔اس سے غزہ کیا سنبھلے گا۔

نیتن یاہو کی نام نہاد جنگی کابینہ غزہ کے مستقبل کا کوئی فیصلہ تک نہیں کر سکی۔ایتمار بن غفیر اور سموٹریش کے زہریلے بیانات نے مقاصد کو مزید دور کیے رکھا۔ایتمار بن غفیر تو اب بھی باز نہیں آتے۔جیلوں میں جا کر فلسطینی نظربندوں کا تمسخر اڑاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ان کے اقدامات کی عوام میں بہت پذیرائی ہے، حالاں کہ تاثر منفی ہے۔

فلسطین کی ورچوئل ہی سہی، ریاست تسلیم کرنے کے بہت واضح اعلانات نے امریکی دھمکیوں کے باوجود بہت کام دکھایا۔فلسطین کو، اس کے مسئلے کو زندہ رکھا۔اسرائیل اپنے اتحادیوں میں تنہا ہوتا گیا۔اب اسرائیل کے حکمران امریکہ، برطانیہ اور چند دیگر ملکوں کے سوا کہیں جا ہی نہیں سکتے۔

جنگ نے اسرائیل میں صحت، کاروبار اور تعلیم کو بہت خراب کر دیا ہے۔ایران پر حملے نے بڑے اسرائیلی شہروں کے محفوظ ہونے کے تاثر کو ختم کر دیا۔حیفا میں توانائی کے بڑے منصوبے تباہ ہوتے گئے۔بڑے شہروں میں بلند و بالا عمارتیں تباہ ہو گئیں۔اسرائیلی عوام کو پہلی مرتبہ زیر زمین پناہ گاہوں کی جانب بار بار دوڑ لگانا پڑی۔

اس شکست کا تاثر زائل کرنے کے لیے اسرائیل غزہ پر حملے کر رہا ہے۔اس کی پارلیمان قانون پاس کر رہی ہے کہ ہر فلسطینی قیدی کو سزائے موت دی جائے گی۔یہ صہیونیت کی ایک اور شکست ہوگی۔

رپورٹ: شاعمر مد بولے، محمد حداد
تجزیہ: ابوالعین

حماس کا وجود مٹانے کا دعویٰ کرنے والے

اسرائیلی قیدیوں کی واپسی کی تاریخیں بدلتے رہے

''حماس نے ہمارا پلان تسلیم نہ کیا تو اسے صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا جائے گا۔''

ٹرمپ کی یہ وہ دھمکی تھی جو حماس کو بیس نکاتی ٹرمپ منصوبہ دیتے ہوئے دی گئی۔ اس کے فوری جواب یا ردعمل میں حماس نے واضح کیا کہ ابھی تو منصوبہ تحریری طور پر دیکھا بھی نہیں ہے۔

دھمکی میں یہ بھی امریکی صدر نے ہی کہا:

''اقتدار سے چمٹے رہنے کی صورت میں بھی حماس کو دنیا سے ہی مٹا دیں گے۔''

حماس کا اس پر ردعمل وہی تھا، جو اس منصوبے کی تیاری سے بھی پہلے دیا جا چکا تھا:

''فلسطینی انتظامیہ قبول کریں گے۔ ٹونی بلیئر کا کسی نوعیت کا بھی کردار نہیں مانتے۔''

ٹرمپ امن پلان کی تیاری نیتن یاہو کی مشاورت سے کی گئی۔ پھر ڈرامہ کیا گیا کہ نیتن یاہو نے تحفظات پیش کرنے کا اعلان کیا۔ اصل کہانی یہ تھی کہ غزہ سٹی پر اسرائیل کا فیصلہ کن حملہ بھی ناکام ہو گیا تھا۔ جب آقا اور اس کے مہرے کو اندازہ ہو گیا کہ کوئی فلسطینی بھی سرنڈر کرنے کو تیار نہیں ہے تو مہرے یعنی نیتن یاہو کو امریکہ طلب کر لیا گیا۔ پھر ٹرمپ امن منصوبہ سامنے لایا گیا۔ کہا گیا کہ اسے تسلیم کرو ورنہ مٹا دیے جاؤ گے۔ اس کے لیے obliterate کا لفظ استعمال کیا گیا۔ یہ لفظ ٹرمپ نے غالباً ریسلنگ رنگ سے استعمال سیکھا ہو گا جہاں وہ ریسلرز کے پروموٹر ٹائپ کردار ادا کرتے تھے۔ یہی لفظ انہوں نے ایران کے ایٹمی پروگرام پر شب خون مارنے کے بعد استعمال کیا تھا:

"Iran's nuclear program has been obliterated."

یہی لفظ حماس کو اپنے طور دھمکاتے ہوئے استعمال کیا گیا۔ حماس کو ٹھکانے لگانے کے لیے اسرائیل دو سال سے فلسطینیوں کی بدترین نسل کشی (Genocide) امریکی گولہ بارود سے کر رہا ہے۔ اب اسی حماس کو کہہ رہا ہے کہ تمہیں مٹا دیا جائے گا۔

بنیامین نیتن یاہو کو مبینہ طور پر صدر ٹرمپ نے تلخ پیغام دیا۔ کہا یا رپورٹ کیا گیا کہ وہ اسرائیلی جلاد سے ناراض ہوئے اور کہا کہ:

"So fucking negative" کام بند کرو۔ یہ بات ٹائمز آف اسرائیل کے لازر برمن کے حوالے سے بھی سامنے آئی۔ سی این این نے امریکی صدر ٹرمپ سے انٹرویو میں سوال کیا کہ حماس (دہشت گرد گروہ) نے امن منصوبہ تسلیم نہ کیا تو امریکی ردعمل کیا ہو گا؟ ٹرمپ نے کہا:

"Complete Obliteration"

حماس کے حوالے سے کہا کہ وہ غزہ کی اکیلی حکمران نہیں رہنا چاہتی وہ مکمل ہتھیار سرنڈر نہیں کرے گی۔ وہ فلسطین کے مستقبل سے اپنا کردار بھی ختم یا الگ نہیں کرے گی۔

ٹرمپ نے اسی شام اس امید کا اظہار کیا کہ: ''منصوبہ درست سمت میں آگے بڑھ رہا ہے۔ اسرائیل اور حماس میں سنجیدہ فاصلے ابھی موجود ہیں۔ ہمیں کسی لچک کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی وجہ بھی ہے۔ ہر کوئی کافی حد تک منصوبے سے متفق ہے۔ کچھ تبدیلیاں ہمیشہ ہی کرنا پڑتی ہیں۔''

ٹرمپ نے مزید کہا:

''یرغمالی یقینی طور پر معاہدہ ہوتے ہی رہا ہو جائیں گے۔ اب مزاکرات کی سمت درست ہے۔ اس میں دو ایک دن لگیں گے۔''

ٹائمز آف اسرائیل کے لازر برین نے رپورٹ جاری رکھتے ہوئے مزید لکھا کہ یرغمالیوں کے اقارب نے بھی اس منصوبے کے بارے میں محفوظ تحفظ کا اظہار کیا، حماس سے براہ راست رابطے رکھنے والے عرب اور مسلم ممالک بھی ایسے ہی تحفظ سے حماس کو آگاہ کر رہے تھے۔

پھر مزاکرات میں ایک موڑ آیا۔ حماس نے کہا کہ وہ تمام یرغمالی رہا کر دے گی لیکن اسرائیلی قابض فوج کو فوری طور پر غزہ خالی کرنا ہوگا۔

نیتن یاہو کو داخلی طور پر کسی بڑی مخالفت کا سامنا نہیں تھا۔ کوئی لیڈر یا پارٹی یرغمالیوں کی رہائی کے بارے میں ان کی ممکنہ رہائی کے علاوہ کوئی اور مؤقف اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ چند تبدیلیوں کے بعد پلان ٹرمپ کو دوبارہ دکھایا گیا۔ یہ تبدیلیاں کرنے والے کون تھے اور کہاں سے تبدیلیاں تجویز ہو رہی تھیں۔ کیا یہ ٹرمپ کی ٹیم تھی؟ سیکرٹری خارجہ مارکو روبیو کا سٹاف تھا یا اسرائیل کو دکھا کر تبدیلیاں فائنل کی جا رہی تھیں؟ تاہم حماس کی تجویز کردہ تبدیلیاں نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھیں۔ نیتن یاہو کی واشنگٹن یاترا اسی مقصد کے لیے تھی۔ ممکنہ شکست کا تاثر زائل کرنا ضروری تھا۔ پھر یہ بات پھیلائی گئی کہ نیتن یاہو اس پر تیار نہیں کہ حماس کی جانب سے کی جانے والی کوئی تبدیلی تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

Axios نے اتوار کو رپورٹ دی کہ ٹرمپ اور نیتن یاہو کے درمیان تلخی زدہ کال ہوئی ہے۔ یہ کال جمعہ کو ٹرمپ کی جانب سے کی گئی۔ ٹرمپ نے کہا کہ میری سمجھ سے تمہارا Fucking Negative رویہ نا قابل فہم ہے۔ یہ ایک جیت ہے، اسے تسلیم کرلو۔

اس بات کو ٹائمز آف اسرائیل نے پھیلایا۔ دیگر ذرائع سے اس کی تصدیق یا تردید نہ ہو سکی۔ اسرائیلی اخبار نے لکھا کہ دونوں میں عدم اتفاق تھا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ جس طرح نیویارک ٹائمز امریکی حکومت کے ترجمان کا کردار ادا کرتا ہے، اسی طرح ٹائمز آف اسرائیل وہاں کی حکومت کی بات کرتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ حماس کی طرف منصوبہ تسلیم کیا جانا ٹرمپ کے لیے غیر متوقع تھا۔ یہ بات ٹائمز آف اسرائیل نے ایک نامعلوم عرب سفارت کار کے حوالے سے رپورٹ کی۔

یہ بھی بات پھیلائی گئی کہ حماس کی غزہ کے اندر اور باہر کی قیادت ایک دوسرے سے نالاں تھی۔ منصوبے کی مبینہ حمایت کا اعلان اندر جب کہ اس سے قدرے مخالفت کا اظہار باہر کی قیادت نے کیا تھا۔ یہ بھی ٹائمز آف اسرائیل نے ہی پھیلائی۔

اس مکدر اور مشکوک فضا کو صرف اس لیے بنایا جا رہا تھا کہ حماس کی قیادت کا تاثر خراب کیا جا سکے۔ حماس نے ایسے میں یہ شرط بھی لازمی قرار دے دی تھی کہ اسرائیل کی ساری فوج 48 گھنٹوں میں غزہ خالی کر دے، شرم الشیخ مصر میں حماس کو مزاکرات کا فائدہ اس کے بغیر ایک دھوکہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ نیتن یاہو کا سابقہ ریکارڈ یہی تھا کہ وہ سب کچھ مان کر عین وقت پر بھاگ جاتا یا بھگا دیا جاتا تھا۔

امریکہ نے اسرائیلی انخلاء کے لیے طویل نقشہ تیار کر رکھا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ اس انخلاء کو تین مراحل تک لے جایا جائے گا۔ عرب سفارت کار اس کی حمایت میں تھے۔ وہ بار بار زور دے رہے تھے کہ اس فارمولے پر معاملہ آگے بڑھے تاکہ حماس کو اپنا مؤقف دھرانے کا ہی موقع نہ ملے۔ حماس کئی بار اس پلان سے پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ اس کے لیے آخری یرغمالی کی رہائی بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگی۔ اصل درکار یہ ہے کہ اسرائیل فوری طور پر غزہ خالی کر دے۔

نیتن یاہو کو علم تھا کہ اب ڈیل سے انکار یا رکاوٹ امریکہ کو ناراض کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔ اس لیے چار و نا چار وہ داخلی طور پر اپنے لوگوں سے، وزراء سے مشاورت کر رہا تھا۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ عوامی جذبات تمام زندہ و مردہ یرغمالیوں کی واپسی کے ساتھ ہیں۔ وہ اس کا کریڈٹ کسی اور لیڈر کو دینے پر آمادہ نہیں تھا۔

پھر مصر جانے کے لیے ٹیم تشکیل دی گئی۔ سٹریٹجک افیئرز کے وزیر ران ڈرمہ کو ٹیم لیڈ کرنے

TRUMP MEET MUSLIM LEADERS AIMED AT ENDING WAR IN GAZA

کا کہا گیا۔ کان پبلک براڈ کاسٹر نے بتایا کہ ٹرمپ کے داماد اور دست راست جیرڈ کُشنر اس مرحلے کے مزاکرات کا حصہ نہیں ہوں گے۔ معاملات الٹ پلٹ کرنے کے ماہر امریکی نمائندے سٹیو ویٹکاف کو بھی پہلے مرحلے سے باہر رکھا گیا۔ ان کے بجائے یرغمالی نمائندے گال ہرش کو مصر جانے والے وفد کا حصہ بنایا گیا۔ گال ہرش نے مزاکرات کی تیاری کے سلسلے میں انٹرنیشنل ریڈ کراس کمیٹی کے وفد کی سربراہ جولین لاریسن سے ملاقات کی۔

نیتن یاہو نے دائیں بازو کے گروپ گاوورا فورم (Gvura Forum) کے ارکان سے ملاقات کی۔ یہ فورم یرغمالیوں کے خاندانوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ نیتن یاہو نے ان سے کہا کہ ٹرمپ پلان کا پہلا نکتہ یرغمالیوں کی غزہ سے واپسی ہے۔ اس کے بناء کسی دوسرے نکتے پر بات نہیں ہوسکتی۔ نیتن یاہو نے ان نمائندوں سے بھی دروغ گوئی سے کام لیا اور انہیں بتایا کہ ٹرمپ کا مجھ پر معاہدہ کرنے کے لیے بہت دباؤ ہے۔ وہ یرغمالیوں کی رہائی کے لیے زیادہ انتظار نہیں کریں گے جب کہ حماس نے واضح کردیا تھا کہ یرغمالیوں کی رہائی سے اسے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

ادھر امریکی سیکرٹری خارجہ مارکو روبیو بھی یرغمالی گیم کا بدستور حصہ بنے ہوئے تھے۔ بار بار کہہ رہے تھے کہ حماس کو صدر ٹرمپ کے یرغمالیوں کی رہائی کے فریم ورک پر عمل کرنا ہی ہوگا۔ این بی سی کے پروگرام ''میٹ دی پریس'' میں انہوں نے کہا کہ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ میں ان لوگوں (حماس کے راہنماؤں) پر سو فیصد اعتماد کرتا ہوں۔ ہم ایسا کر بھی نہیں سکتے۔ لیکن وہ کہہ ضرور رہے ہیں کہ وہ اس بارے میں صدر ٹرمپ کے فارمولے سے اتفاق کرلیں گے۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

روبیو نے کہا کہ حماس اتفاق کرے یا نہ کرے، ہم تکنیکی مزاکرات کریں گے تاکہ پہلے مرحلے کی تفصیلات طے کی جاسکیں۔ ہمیں امید ہے کہ یرغمالی جلد سے جلد رہا ہوجائیں گے۔ اس کے بدلے میں اسرائیل کی فوج ییلو لائن سے پیچھے ہوجائے گی۔ ہماری توجہ اسی پر ہے۔

یرغمالیوں سے وابستگی اور ان کی واپسی کا کریڈٹ لینا بھی اسرائیل میں ایک طرح کی سیاسی دوڑ ہے۔ صہیونی وزیر دفاع اسرائیل کاتز نے بھی بیان جاری کیا۔ یہ واپسی اب دنوں کی بات ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں جلد ہی اطلاع دے دی جائے گی کہ عنقریب تمام یرغمالی اپنے گھر آجائیں گے۔ ان میں زندہ و مردہ سب شامل ہوں گے۔ یہ صدر ڈونلڈ ٹرمپ کا وعدہ ہے۔ اس کے بعد حماس خود کو غیر مسلح کرے گی اور غزہ غیر فوجی علاقہ بن جائے گا۔ اب ہم پہلے مرحلے کے کامیاب ہونے کے منتظر ہیں۔

حماس نے واضح کیا کہ ہم کئی بار کہہ چکے ہیں کہ اسرائیلی فوج جوں ہی غزہ خالی کرے گی، یرغمالی واپس کردیے جائیں گے۔ ہم امن منصوبے پر پورا عمل ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم یرغمالی واپس کرتے ہوئے زمینی پوزیشن پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ اسی کے مطابق مستقبل میں ہمارے آئندہ اقدام کا فیصلہ ہوگا۔ حماس نے خبردار کیا کہ امن منصوبے پر عمل درآمد میں کسی رکاوٹ کو ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں آٹھ مسلم ممالک نے مشترکہ بیان جاری کیا۔ ان ممالک میں سعودیہ، یو اے ای، قطر، مصر، اردن، انڈونیشیا، ترکی اور پاکستان کے وزرائے خارجہ نے شرکت کی۔ بیان میں معاہدے پر عمل درآمد کے لیے حماس کے اقدامات کی تعریف کی گئی۔ اس بیان میں کہا گیا کہ توقع ہے اسرائیلی فوج بھی غزہ خالی کردے گی۔ غالباً یہی وہ آٹھ ممالک ہیں جن میں سے کچھ ابراہام معاہدوں کو گویا اسرائیل کو تسلیم کرچکی ہے۔ ان کے بعد جو رہ گئے ہیں، وہ بھی تسلیم کرلیں گے۔

سفارتی حلقوں نے بھی حماس کی تعریف کی ہے۔ ان حلقوں کا کہنا تھا کہ حماس نے ٹرمپ پلان قبول کرکے امن کو راستہ دیا، اب وہ امن کے میکانزم پر بات کررہے ہیں۔ یہ خوش آئند بات ہے۔

اب مصر کے شہر شرم الشیخ میں تکنیکی مزاکرات میں آئندہ کی بات کا راستہ طے کرلیا گیا ہے۔ اس طے شدہ میکانزم کے چھ نکات ہیں۔ اسرائیل معاہدے کے تحت 250 فلسطینی قیدی ایسے رہا کرے گا جن کو اسرائیلی عدالتوں سے عمر قید کی سزا ہوچکی ہے، ان کے علاوہ مزید 1700 نظر بند فلسطینی رہا ہوں گے۔ ان کو اسرائیلی فوج نے گزشتہ دو سال میں پکڑا تھا۔

حماس نے ان یرغمالیوں کی باقیات جمع کرنے کا کام شروع کردیا ہے، جو خود اسرائیلی حملوں کا نشانہ بنے یا اپنی طبعی موت مرے تھے۔ حماس نے آئندہ کسی بھی فضائی کارروائی کے مکمل طور پر رو کے جانے کے مطالبہ کو بھی دہرایا ہے۔

تجزیہ: ابوالعین

پہلے عمل درآمد مرحلے کی تفصیلات کا متن

حماس نے ٹرمپ پلان پر کیا لائحہ عمل اپنایا

حماس کا اعلان بہت سے حلقوں کو حیرت میں مبتلا کر گیا۔ اعلان یہ تھا کہ امریکہ کے صدر ٹرمپ کا بیس نکات پر مشتمل فارمولا ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اس پر تحفظات موجود ہیں لیکن ان پر مزاکرات ہو سکتے ہیں۔ ہم سب اسرائیلی یرغمالیوں کی رہائی سے بھی متفق ہیں۔

صدر ٹرمپ کے علم میں لایا گیا کہ حماس نے ان کے امن منصوبے کو تسلیم کر لیا ہے تو انہوں نے اسرائیل سے مطالبہ کیا کہ غزہ پر بمباری فوری طور پر بند کی جائے۔

پھر مبصرین کو یہ خیال آیا کہ کیا یہ جنگ بندی حتمی ہے یا پھر شروع ہو سکتی ہے؟ اس طرح کے اور بھی سوالات ابھرے۔ حماس نے اپنے جواب میں کہا کہ یرغمالیوں کو رہا کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس کے لیے اسرائیل کو فی الفور بمباری اور فوجی کارروائیاں بند کرنا ہوں گی اور اس کی ساری فوج کو ٹرمپ پلان کے مطابق غزہ سے مکمل انخلاء کرنا ہوگا۔ اس کے بعد حماس فلسطینی ٹیکنو کریٹس کی غزہ میں انتظامیہ قبول کر لے گی۔

ٹرمپ پلان کے تمام نکات پر بات ہوگی۔ اس پر ''فلسطینی نیشنل فریم ورک'' کے اندر مزاکرات ہوں گے۔ ان میں حماس شامل ہوگی۔

ٹرمپ نے حماس کے ردعمل کو خوش کن قرار دیا۔ ان کا سب سے اہم تھا کہ حماس ہتھیار غزہ انتظامیہ کے حوالے کر دے گی۔ صدر ٹرمپ نے اپنے Truth Social سائٹ پر لکھا کہ یوں دکھائی دے رہا ہے کہ تمام فلسطینی گروہ حتمی طور پر امن چاہتے ہیں۔ پھر ان کی طرف سے واضح پیغام آیا کہ اسرائیل فوری طور پر غزہ پر بمباری بند کر دے تا کہ یرغمالیوں کی بہ حفاظت واپسی کو ممکن بنایا جا سکے۔ صدر ٹرمپ نے کہا کہ ہم پہلے ہی مزاکرات میں ہر نکتے کی تفصیلات طے کرنے کے حق میں ہیں اور اس کے لیے بالکل تیار ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ٹرمپ نے ایک ویڈیو پیغام ریکارڈ کرایا اور کہا کہ میرے منصوبے پر حماس کا ردعمل مثبت ہے اور کامیابی ہے۔ انہوں نے اپنی انتظامیہ سے کہا کہ مجھے ہر بات کے بارے میں باخبر رکھا جائے۔ یہ بہت اہم اور بڑا دن ہے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ معاملات کس طرح آگے کی سمت بڑھتے ہیں۔ ہر کسی کی خواہش تھی کہ یہ جنگ ختم ہو جائے۔ ہم سب مشرق وسطیٰ میں امن چاہتے ہیں۔ ہم اس مقصد کو حاصل کرنے کے قریب ہیں۔

جب صدر ٹرمپ منصوبے کا اعلان کر رہے تھے، نیتن یاہو واشنگٹن میں ہی موجود تھے۔ اس وقت نیتن یاہو نے اس منصوبے کی حمایت کا اعلان کیا اور کہا کہ اس پر عمل درآمد سے

اسرائیل اپنے مقاصد حاصل کرے گا۔ یاہو نے کہا:

''تمام یرغمالی اسرائیل آجائیں گے۔ حماس کی فوجی اہلیت کو ختم کیا جا سکے گا، اس کے سیاسی کردار کا خاتمہ ہوگا۔ اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ غزہ سے اسرائیل پر دوبارہ حملہ نہیں ہوگا۔''

نیتن یاہو نے کہا کہ کچھ انتباہ بھی مدنظر رکھنا ہوں گے۔ یاہو کا کہنا تھا کہ حماس اس منصوبے کو مسترد کر دیتی یا وہ اسے صرف اس وقت تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر اس کو ناکام بنانے پر کام شروع کر دیتے ہیں تو پھر اسرائیل خود ان سے کام لے گا۔ ان کو ختم کرنے کی کارروائی جاری رہے گی۔

اس کے بعد نیتن یاہو نے اسرائیلی عوام سے عبرانی میں بات کی۔ اس نے کہا کہ میں نے فلسطینی ریاست کو تسلیم نہیں کیا۔ پھر کہا کہ اسرائیل کی فوج غزہ کے زیادہ تر حصوں میں موجود رہے گی۔

حماس نے واضح طور پر کہا کہ اس منصوبے کے بہت سے نکات قابل قبول نہیں ہیں۔ ہم برطانوی سابق وزیراعظم ٹونی بلیئر کو غزہ میں کسی بھی کردار میں ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔ حماس نے یہ بھی واضح کر دیا کہ ہم ایسے کسی فرد کو کسی بھی کردار یا کام کے لیے تسلیم نہیں کریں گے جو فلسطینی نہیں ہے۔ صدر ٹرمپ کے کسی بھی کردار کو نہیں مانیں گے۔

حماس کے اہم ہنما موسیٰ ابومرزوق نے الجزیرہ کو بتایا کہ ٹونی بلیئر کی تقرری ناقابل قبول ہے۔ انہوں نے ماضی میں عراق پر حملے میں بہت نمایاں کردار ادا کیا۔ غزہ میں انتظامیہ کا تعین اور ہتھیار حوالے کرنے کی باتیں مسائل پیدا کریں گی۔ ٹرمپ اور نیتن یاہو کا مشترکہ مطالبہ ہے کہ حماس ہتھیار ڈال دے۔ حماس کا جواب تھا کہ اس پر بات ہو سکتی ہے۔

حماس نے یہ بھی کہا کہ غزہ کا مستقبل، ساری جدوجہد کا مستقبل کیا ہوگا؟ اس کا فیصلہ غزہ کے عوام کریں گے۔ کسی کو یہ طے کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس پر وسیع تر فلسطینی اتفاق رائے ضروری ہے۔

تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ٹرمپ کا حماس کے ردعمل کو مثبت کہنا اور یہ مطالبہ کرنا کہ اسرائیل بمباری بند کر دے، صہیونی لیڈرشپ کے لیے قابل قبول نہ تھا۔ اسرائیل میں کہا جا رہا تھا کہ اس منصوبے کو تسلیم کیا گیا تو نیتن یاہو کو ہٹا دیا جائے گا۔ یہ بات بھی اسرائیلی حلقوں میں تشویش سے دیکھی گئی کہ حماس نے اس منصوبے کے کئی نکات تسلیم ہی نہیں کیے اور بعض نکات پر تحفظات کا اظہار کیا۔

Axios کے رپورٹر بارک راویڈ کے مطابق نیتن یاہو کے لیے صدر ٹرمپ کی طرف سے 20 نکاتی منصوبے کا اعلان حیران کن تھا۔ اس نے حماس کے جواب کو منصوبے کو ''مسترد'' کیے جانے کا اعلان قرار دیا۔

اس صورت حال کی ایک ممکنہ وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اسرائیلی حکومت انتہائی دائیں بازو کے ارکان کے نرغے میں ہے۔ ان ارکان کی لیڈرشپ نے خبردار کیا ہے کہ اگر ایسی ڈیل کی گئی جو ان کے خیال میں درست نہ ہوئی تو وزیراعظم نیتن یاہو کو ان کے عہدے سے فارغ کر دیا جائے گا۔ کنیسیٹ میں اپوزیشن نے خبردار کیا کہ وہ اس ڈیل کی حمایت کرتی ہے لیکن اپوزیشن اور نیتن یاہو کے درمیان عدم اعتماد کی ایک خلیج حائل ہے۔ ان کے درمیان کسی اتحاد کا فی الحال امکان نہیں ہے۔

واشنگٹن سے رپورٹ کرتے ہوئے الجزیرہ کے شہاب رتنیسی نے بتایا کہ آپ تصور کریں کہ اس شہر اقتدار میں مختلف طرح کی قوتیں جمع ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ کسی طرح ڈونلڈ ٹرمپ کا ذہن اس ڈیل سے ہٹایا جائے کیوں کہ اسرائیل کے مقابلے میں حماس نے آگے بڑھ کر زیادہ کامیاب حکمت عملی سے کام لیا ہے۔ ثالثی کا کردار ادا کرنے والوں پر بھی اثرانداز ہوا جائے۔ اب زور دیا جا رہا ہے کہ حماس کو ڈیل سے ہٹنے نہ دیا جائے اور اسرائیل پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ جنگ فوری طور پر دوبارہ شروع کرے۔

اسی دوران میں اسرائیل غزہ پر بمباری جاری رکھے جو ڈیل کے اعلان پر بھی ہو رہی تھی۔ اس بمباری کا فوکس غزہ سٹی تھا۔ اس سے کم از کم 72 فلسطینی شہید کیے جا چکے تھے۔

ان تمام درپردہ کوششوں کے باوجود حماس بیس نکات پر کام کرنے پر کھڑی رہی۔ حماس کو اس مقصد سے ہٹانے میں ناکامی پر یہ سوچا گیا کہ حماس کو مذاکرات کی میز پر لایا جائے۔ حماس تو اپنے طور پر مذاکرات کے لیے کہہ رہی تھی۔

یہ مذاکرات شرم الشیخ میں شروع ہوئے۔ ان میں پہلے مرحلے میں جنگ بندی پر اتفاق ہوا۔ جنگ کرنے اور دوبارہ شروع کرنے والوں کو ناکامی ہوئی۔ دوسرا فیصلہ ہوا کہ اسرائیلی فوج مرحلہ وار غزہ سے نکل جائے گی، حماس تمام اسرائیلی یرغمالیوں کو رہا کر دے گی، دوسری طرف فلسطینی قیدیوں کی رہائی عمل میں آئے گی۔ زندگی بچانے کی امداد غزہ میں داخل کی جائے گی۔ اس معاہدے پر حماس اور اسرائیل کے ساتھ ثالثوں نے دستخط کیے۔ اس ابتدائی معاہدے کو ''صدر ٹرمپ کی تجویز برائے خاتمہ غزہ جنگ پر عمل درآمد کے اقدامات'' کا عنوان دیا گیا۔

عمل درآمد کے ان اقدامات کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پانچوں حصے کے مزید حصے کیے گئے ہیں۔ حماس اور اسرائیل میں طے ہوا ہے کہ غزہ پر بمباری نہیں کی جائے گی۔

جنگ فوری طور پر بند کر دی جائے گی۔ ان اقدامات کی اسرائیلی کابینہ سے منظوری لی گئی۔ اس حصے میں یہ بھی طے کیا گیا کہ غزہ میں غذائی قلت کے خاتمے کے لیے امداد کے داخلے کو کسی رکاوٹ کے بغیر یقینی بنایا جائے گا۔ اسی طرح غزہ سے اسرائیلی فوج طے شدہ حدود کے پیچھے چلی جائے گی۔ اس کے لیے اس مکانزم کے ساتھ ان حدود کا نقشہ بھی دیا گیا ہے۔ اسرائیلی فوج ان حدود کو کراس نہیں کرے گی۔ اس فوجی انخلاء کو 72 گھنٹوں میں مکمل کر لیا جائے گا۔ یرغمالی رہا کر دیے جائیں گے۔

حماس، اسرائیل اور ثالثوں کے درمیان رابطے کے لیے ایک مواصلاتی رابطہ قائم کیا جائے گا۔ اسرائیل ان تمام قیدیوں اور نظر بند افراد کو رہا کرے گا جو گزشتہ دو سال میں پکڑے گئے۔

اب ہم اس میکانزم کی دستاویز کا ترجمہ پیش کریں گے تا کہ اس سے مکمل آگاہی ہو سکے۔

1) اسرائیلی حکومت کی منظوری کے ساتھ ہی صدر ٹرمپ کے اعلان کے مطابق جنگ بند کر دی جائے گی۔ اس معاہدے میں شامل پارٹیاں اس پر عملدرآمد کی منظوری دے چکی ہیں۔

2) اسرائیلی حکومت جنگ بند کرنے کی منظوری دے گی۔ ہر طرح کا فوجی ایکشن بہ شمول فضائی بمباری، توپ خانے کی گولہ باری، اہداف پر حملے، سب معطل کر دیے جائیں گے۔ اگلے 72 گھنٹوں میں فضائی نگرانی ختم کر دی جائے گی۔ یہ خاتمہ ان تمام مقامات سے ہوگا جہاں سے قابض اسرائیلی افواج انخلاء کریں گی۔

3) فوری طور پر انسانی بنیادوں پر امداد اور ریلیف غزہ میں فراہم کیے جائیں گے۔ یہ تجویز کردہ طریقے کے مطابق روبہ عمل ہوں گے۔ امداد کی بحالی کے لیے 19 جنوری 2025ء کے معاہدے پر عمل کیا جائے گا۔ انسانی امداد کی بحالی اور ریلیف کی فراہمی کی تفصیلات عملدرآمد کے ان طے شدہ اقدامات کے ساتھ لف ہیں۔

4) اسرائیل کی قابض فوج طے شدہ حدود کے مطابق غزہ سے نکل جائیں گے۔ اس کے لیے نقشہ (X) ساتھ لف کر دیا گیا ہے۔ اسے صدر ٹرمپ کی طرف سے اعلان کے بعد مکمل کر لیا جائے گا۔ اسرائیلی حکومت سے منظوری کے 24 گھنٹے بعد یہ انخلاء مکمل ہو جائے گا۔ جہاں سے اسرائیل کی قابض فوج جائے گی، وہاں واپس نہیں آئے گی۔ اس دوران میں حماس معاہدے پر مکمل عمل درآمد کرے گی۔

5) اسرائیلی فوج کے انخلاء کے 72 گھنٹوں کے اندر زندہ یا مردہ، تمام یرغمالی رہا کر دیے جائیں گے۔ یہ غزہ میں رکھے گئے ہیں۔ ان کی فہرست بھی معاہدے کے ساتھ لف کر دی گئی ہے۔

(الف) جوں ہی اسرائیلی قابض فوج کا انخلاء مکمل ہوگا، حماس تمام یرغمالیوں کے کوائف کا جائزہ مکمل کر لے گی اور ان کے بارے میں ساری معلومات جمع کر لی گئیں۔ حماس مواصلاتی رابطے کے ذریعے ان کے بارے میں تمام معلومات پر اپنا جواب تیار کر کے فراہم کرے گی۔ اور یہ کام اس میکانزم کی شق (5e) کے مطابق فراہم کرے گی۔ فلسطینی قیدیوں اور نظر بندوں، جنہیں غزہ سے گرفتار کیا گیا تھا، کی تفصیلات اسی مواصلاتی رابطے سے فراہم کی جائیں گی۔

(ب) ان تمام اسرائیلی یرغمالی 72 گھنٹوں میں رہا کر دے گی۔ جو زندہ ہیں۔ کسی بھی فلسطینی گروہ کے پاس قیدی بھی رہا ہوں گے جو فراہم کی گئی فہرست کے مطابق مطلوب ہیں۔

(ج) انہی 72 گھنٹوں میں فوت شدہ یرغمالیوں کی باقیات فراہم کرے گی۔ دیگر فلسطینی گروہوں کے پاس باقیات بھی دی جائیں گی۔

(د) انہی 72 گھنٹوں میں، ایسی تمام معلومات بھی فراہم کرے گی جو اس کے یا دیگر گروہوں کے پاس ہیں۔ یہ کام معلومات کی فراہمی اور تبادلے کے لیے مواصلاتی رابطے کے ذریعے ہوگا۔ اس کا ذکر پیراگراف (ر) میں کیا گیا ہے۔

(ر) ثالثوں اور آئی سی آر سی کے تعاون سے دونوں پارٹیوں کے درمیان مواصلاتی رابطے کا نظام بنایا جائے گا۔ اس کے ذریعہ معلومات اور انٹیلی جنس ڈیٹا جمع کیا جائے گا۔ اگر کسی فوت شدہ یرغمالی کے بارے میں 72 گھنٹوں میں معلومات دستیاب باقیات ہر ممکن حفاظت سے نکالی جائیں گی۔ اسی طرح غزہ سے گرفتار یا حراست میں لیے گئے فلسطینی، جو وفات پا گئے، کی باقیات بھی پوری حفاظت سے واپس کی جائیں گی۔ حماس ان معاہدوں پر مکمل عمل درآمد کو بہترین کوشش سے یقینی بنائے گی۔

(س) جیسے ہی حماس تمام یرغمالی رہا کرے گی، اسی طرح اسرائیل بھی تمام زیر حراست یا قید فلسطینیوں کو لف شدہ فہرستوں کے مطابق رہا کرے گا۔

(ص) یرغمالیوں اور قیدیوں کے تبادلے کے لیے اسی طریقہ کار کو اپنایا جائے گا جو ثالثوں اور ریڈ کراس کمیٹی میں طے کیا گیا ہے۔ اس کے لیے کسی قسم کی عوامی تقریبات اور ذرائع ابلاغ سے مکمل اجتناب کیا جائے گا۔

6) امریکہ، قطر، مصر، ترکی اور دوسرے ممالک کے نمائندوں، جن پر دونوں پارٹیوں کا اتفاق ہوگا، پر مشتمل ٹاسک فورس بنائی جائے گی جو عمل درآمد کی نگرانی اور دونوں پارٹیوں میں رابطے کو یقینی بنائے گی۔

آئندہ نسلوں کو درپیش چیلنجز سنجیدہ عمل کے متقاضی

صہیونیت نے غزہ میں نسل کشی کی جنگ میں ہدف یہ رکھا تھا کہ فلسطینیوں کو اس طرح مارا جائے کہ وہ آئندہ ایک مضبوط قوم بن کر ہمارے مقابلے پر نہ آسکیں۔ ان کی آنے والی نسلیں نہ صرف کمزور ہوں، بل کہ معذور، اپاہج اور جسمانی بیماریوں سے نجات حاصل نہ کرسکیں۔ ان کے بچے لاغر ہوں اور بچ بھی رہیں تو ان میں قوت کردار نہ ہو، صہیونیت کو للکارنے کی جرأت نہ ہو۔ وہ القسام اور القدس کے جانبازوں میں ڈھل نہ سکیں۔ اس ہدف کے لیے نوجوانوں کو نشانہ بنایا گیا، انہیں ہزاروں کی تعداد میں بے دریغ قتل کیا گیا۔ براہ راست فائرنگ کے علاوہ سنائپرز کو ہدایات دی گئیں کہ مضبوط جسمانی ساخت والے کسی بھی نوجوان کو نہ چھوڑا جائے، سینے، بالخصوص دل اور دماغ کو نشانہ بنایا جائے۔ اسی رُو میں اساتذہ، ڈاکٹرز، مختلف شعبہ ہائے علم کے ماہرین کو بھی قتل کیا جائے۔

اس طرح کی نسل کشی ماضی میں کہیں نہیں ہوئی۔ ہم نے محمد حداد کی رپورٹ کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس ساری نسل کشی کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔ ان کے مطابق الجزیرہ نیٹ ورک کے پاس ان متاثرین کے چہرے محفوظ ہیں، جسموں کی تصویری دستاویز بھی ہے۔ نیٹ ورک نے ایسی 50 ہزار تصاویر جمع کی ہیں۔ یہ تصاویر ان کے فوٹو جرنلسٹس نے کھینچی ہیں، ان کو مختلف ذرائع سے بھی حاصل کیا گیا ہے۔

نیٹ ورک نے ایک ہزار سے زیادہ ایسے فلسطینیوں کی تصاویر بھی حاصل کی ہیں جو اس نسل کشی کو کسی نہ کسی طرح سہتے رہے، برداشت کرتے رہے۔ ہر تصویر دکھاتی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں، اپنے مقام پر جسے غزہ کے بیس لاکھ لوگ اپنا گھر کہتے ہیں، ایک حادثے، واقعہ یا ہدف بنا کر مارے گئے۔

یہ فلسطینی جوان بھی تھے، نوجوان بھی تھے، لڑکپن میں بھی تھے۔ ان میں بڑی عمر کے لوگ بھی تھے، بوڑھے بھی اور عمر رسیدہ جہاندیدہ فلسطینی بھی تھے۔ ان کے چہروں پر مرتے وقت دکھ اور کرب نمایاں تھا تو تکالیف کا مقابلہ کرتے شہید ہونے کی کیفیات بھی ہیں۔ ان میں بہت خوش خوش موت کو گلے لگانے والے ہر عمر کے فلسطینی تھے۔

بچوں کی تصاویر بتاتی اور دکھاتی ہیں کہ وہ گہرے صدمے سے گزرے، ماؤں سے مضبوطی سے چمٹے، باپوں کی گود میں لیٹے، گولی کھاتے وہ آنکھوں میں سوال چھوڑ گئے کہ

بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ

ان کے سوالوں کا جواب دینے والے مہر بلب تھے، ان کے ساتھ ہی گزر گئے یا ان کو

بچانے کی جنگ کی نذر ہو گئے۔ بہت سی تصویریں بہت ہولناک ہیں۔ انہیں دیکھا نہیں جا سکتا۔ اگر ان کے سنیما ہال میں رِیل (Reel) چلے تو پورا سسکیوں زدہ نہ ہو، اپنے کلیجے اور دل تھامے ہال سے باہر آ جائے، آگے کچھ دیکھ نہ سکے۔ بہت سے بچے ملبے تلے کچلے گئے، کسی کا بازو گیا تو کسی کی ٹانگ، کوئی اپنے سر کو دماغ کو جدا کرا بیٹھا۔ گھروں کے گھر زمین سے صاف کر دیے گئے، اڑا دیے گئے۔ جو باقی رہ سکے، وہ اپنی معصومیت سے ٹراما کی مثال تھے۔

یہ چہرے کبھی زندگی سے بھرپور تھے، ہر روز صبح امید ان سے پوچھ کر پھوٹتی ہو گی، وہ مصنوعی قحط، بھوک اور پیاس سے ناتواں، لاغر، ہڈیوں کے پنجر میں گم ہوتے گئے اور اب دوبارہ کبھی صبح ان پر طلوع نہ ہو گی۔

ایسی ہی ایک تصویر ایک بچے کی ہے، اشرف امرہ، جو 21 مئی 2024ء کو لی گئی۔ اس کا ٹوٹا ہوا بازو پلاستر میں گم تھا۔ خون سے بھرا وہ ہسپتال کے فرش پر پڑا تھا۔ وہ کیمروں کی طرف یوں دیکھے جا رہا تھا، جیسے کہہ رہا ہو:

''اب کیا لینے آئے ہو'' خون اس کے دوسرے بازو کی طرف بہتا جمتا جا رہا تھا۔

وہ زخمی فلسطینیوں میں سے تھا۔ وہ سب الاقصیٰ شہداء ہسپتال میں لائے گئے تھے۔ دیر البلاح کے پناہ گزین کیمپ پر تج پر اسرائیل نے حملہ کیا تھا۔

زخمیوں میں غزہ کی خواتین بھی تھیں۔ مائیں، استانیاں، ڈاکٹرز، صحافی، آیائیں، وہ بہت بڑے بوجھ اٹھائے ہوئے تھیں۔ جسمانی بوجھ اور جذباتی بوجھ، بہت قوت ایمانی سے مالا مال، کیا مسجد اور کیا کلیسا، ان کا محور و مرکز تھا، زندگی تھا۔

بزرگ نسل کو جو کچھ سہنا اور برداشت کرنا پڑا وہ بہت تکلیف دہ تھا۔ وہ دیکھ بھی رہے تھے اور عملی اذیت سے بھی گزر رہے تھے۔ قابض فوج کے ٹینک کسی مقام پر آن موجود ہوتے، ان کے ساتھ بڑی تعداد میں پیدل فوج ہوتی تھی، وہ لاؤڈ سپیکر یا میگا فون پر چیختے ہوئے مقامی آبادی کو حکم دیتے: ''باہر آ جاؤ، ایک منٹ کے بعد بمباری ہو گی۔'' لوگ مختصر سامان اٹھائے ہانپتے ہوئے باہر نکلتے۔ بمباری کر کے بعض گھر تباہ کر دیے جاتے۔ جس گھر والوں کو نکلنے میں دیر ہو جاتی یا وہ نہ نکلتے، فوجی دندناتے اندر داخل ہوتے، بچوں کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے، سامان توڑتے، خواتین سے بدسلوکی کرتے، مردوں سے لباس اتروا تے مبادا کوئی ہتھیار نہ چھپا رکھا ہو، بزرگوں کو دھتکارتے۔

اس کے بعد گھر والوں کو باہر نکالتے، خواتین کی الگ قطار اور مردوں کی الگ قطار بنواتے، خواتین سڑک کے ایک جانب اور مرد دوسری جانب چلنے پر مجبور کیے جاتے۔ گالیاں اور ہذیان بکتے، کبھی شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال لے جاتے۔

ایک دل دہلا دینے والی تصویر میں 36 سالہ انس ابو معمر تھی۔ اسرائیل کے حملے میں شہید ہونے والی سیلی کو سینے سے سختی سے چمٹا رکھا تھا۔ خان یونس کے ناصر ہسپتال میں سیلی نے دم توڑا تھا۔ یہ 17 اکتوبر 2023ء کا واقعہ ہے جو جنوبی غزہ میں ہے۔ تب اس دن فوٹوگرافر محمد سالم ہسپتال کے مردہ خانے میں تھا، جب یہ تصویر لی گئی۔ سالم نے بتایا: ''یہ نہایت تکلیف دہ اور افسوس ناک واقعہ تھا۔ مجھے تصویر لیتے یوں محسوس ہوا کہ سارے غزہ میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اس ماں کے کرب میں سمٹ آیا تھا۔''

لوگ بڑے ذہنی خلجان میں رہتے، جائیں تو جائیں کہاں۔ وہ اپنے پیاروں کے نہایت قریبی مستقبل کے بارے میں فکرمند رہتے۔ محمد سالم کا کہنا تھا کہ اس ماں نے سیلی کو چمٹا رکھا تھا اور خود سے جدا کرنے نہیں دے رہی تھی۔ وہ اسی کیفیت میں باہر خواتین کی قطار میں شامل ہو گئی تھی۔ اس تصویر کو 2024ء میں ''ورلڈ پریس فوٹو'' کی جانب سے سال کی بہترین عکاس کا ایوارڈ دیا گیا۔

بہت سی تصاویر ایسی ہیں جن میں ماؤں نے ان شیر خوار اور ننھے فرشتوں کو اٹھا رکھا ہے جن کے اعضاء کٹ پھٹ چکے تھے لیکن کوئی ماں ان ادھوری لاشوں کو جدا کرنے کے بجائے خود سے چمٹائے چلتی رہیں۔

ریسکیو ورکرز اور نوجوان کارکن ملبہ بنے گھروں سے ہاتھوں سے کام لیتے پتھر ہٹاتے، ناخنوں سے مٹی، ریت کھودتے پیاروں کو نکالتے رہے۔ ان کی بہت تعداد میں تصاویر ہیں۔ ہر کٹی پھٹی لاش، ہر سر بریدہ بدن بہت سے المیوں کو خود بیان کرتے ہیں۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہر فرد کے چہرے پر بے پناہ تھکن، انداز سے باہر دکھ اور پورا نہ ہونے والے نقصان کی کہانیاں پڑھی جا سکتی ہیں۔

عمر القعاع نے ایک تصویر کھینچی جس میں ایک فلسطینی نے ایک بچے کی کٹی پھٹی لاش اٹھا رکھی ہے۔ غزہ سٹی کے اہلی ہسپتال میں بمباری میں بچہ ایسے میں شہید ہوا جب وہ کسی پہلے اسرائیلی حملے میں زخمی حالت میں لایا گیا تھا۔ یہ 2 اکتوبر 2024ء کی تصویر ہے۔

ایک ایسی ہی مزید رپورٹ شاعمہ مدبولے نے 7 اکتوبر 2025ء کو لکھی ہے، گویا جب یہ رپورٹ مدون کی جا رہی ہے، اس سے چند ہی دن پہلے کی ہے۔ جنگ کو دو سال پورے ہو چکے ہیں۔ رپورٹ کا عنوان یا شہ سرخی میں بہت بڑے طوفان کی اطلاع دے رہی ہے:

غزہ کے بچے: کیا وراثتی مادہ آئندہ نسلوں کو منتقل کر سکیں گے؟

سائنس دانوں نے ابھی سے خبردار کیا ہے کہ جنگ اور بھوک نے غزہ کے بچوں کے وراثتی

مادہ (Gene) کو نقصان سے دوچار کر دیا ہے۔ آنے والوں یعنی ان بچوں سے ہونے والی اولادیں یا نسلیں بڑے وراثتی نقصان کا سامنا کریں گی۔ ان بچوں کی اب واحد خوراک جو اسرائیل کی دست برد سے بچ سکی ہے، وہ چاول ہیں۔ محمد الدرینی کے انٹرویو نے سائنس دانوں، ماہرین غذائیت اور طبی ماہرین کو ہلا کے رکھ دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اپنے 22 ماہ کے بچے کوروان کو جولڑکی ہے، صرف چاول کھلا رہی ہے۔

اس فلسطینی 22 ماہ کے بچے کو ماں کا دودھ پیدائش کے بعد سے نہیں ملا کیوں کہ اس کی ماں کا سینہ بھوک نے خشک کر دیا تھا۔ یہ ماں مسلسل ایک نوعیت کے ڈیپریشن میں ہے۔ بار بار ملنے والے صدموں نے اس کی چھاتی میں دودھ پیدا کرنا بند کر دیا۔ پہلے اسرائیل نے 18 سال ناکہ بندی کیے رکھی اور دو سال کی جنگ نے اپنی ہی بچی کے لیے بنجر بنا دیا۔ اس کے خاندان کو قابض فوج نے شمالی غزہ کے علاقے بیت لاھیہ سے نکلنے پر جبری طور پر مجبور کر دیا۔ پہلے غزہ سٹی جانا پڑا اور پھر خان یونس انہیں بھیڑ بکریوں سے بھی بدترین حالت میں لے جایا گیا۔

''ان واقعات نے روان کی ماں کو صدماتی بیماریوں سے دوچار کر دیا۔ الدرینی نے بتایا کہ اس کی بیوی ایک برتن میں چاول ابالتی ہے۔ اس طرح وہ اپنی بیٹی کے لیے دودھ کے بغیر ایگ پڈنگ طرز کی غذا بناتی ہے۔ اب روان اپنی ماں کی جسمانی کمزوری وراثتی طور پر حاصل کر رہی ہے۔ روان کی نسل لاغر اور نحیف ہی رہے گی۔''

روان چل نہیں سکتی، اسے بولتے ہوئے مشکل پیش آتی ہے۔ اس کے جسمانی مدافعتی نظام میں کسی معمولی بیماری کا سامنا کرنے کی بھی سکت باقی نہیں رہی ہے، اسے دل کا عارضہ اس ننھی سی عمر سے ہی لاحق ہو گیا ہے۔ وہ شدید غذائی کمی سے دوچار ہے۔

اس کا وزن گرتا جا رہا ہے۔ اب اس کا وزن محض سات کلو ہے۔ وہ اس وقت جس اذیت ناک صورت حال کا سامنا کرنے پر مجبور ہے، اس کے والد محمد الدرینی کا کہنا ہے کہ اسرائیل کی انجینئرڈ بھوک کی وجہ سے ہے۔ یہ بھوک تو اسرائیل نے پورے غزہ پر مسلط کر رکھی ہے۔

الدرینی نے امید کا اظہار کیا کہ روان صحت یاب ہو جائے گی۔ شرط یہ ہے کہ اسے غذائیت والی خوراک ملے اور ضروری علاج معالجہ ہو۔ لیکن جب تک ناکہ بندی جاری ہے، یہ امید دم توڑ رہی ہے۔ لیکن وراثتی صحت کے ماہرین خبردار کر رہے ہیں کہ روان زندہ بھی رہی تو لمبے عرصے تک صحت کے مسائل رہیں گے۔ اس کے بچوں کے لیے تاہم دیگر مسائل تو سر اٹھاتے رہیں گے۔

گزشتہ بیس سالہ غزہ کا ریکارڈ تشویش پیدا کرتا ہے۔ غزہ ان برسوں کی ناکہ بندی میں بار بار قحط اور ٹراما سے گزرا ہے۔ ہولوکاسٹ ہو یا گریٹ چائنیز قحط اور روانڈا کے قحط سے یہ شہادت ملتی ہے کہ ایسی صورت صورت حال سے محفوظ رہ کر بھی بچے مضبوط وراثتی مادہ اگلی نسلوں کو منتقل نہیں کرتے۔

جب بھوک زندگی کے چراغ بجھاتی ہے، سٹریس اور ٹراما کی وجہ سے وراثتی مادے میں وقت کے ساتھ مطلوب تبدیلیاں نہیں آتیں۔ ڈی این اے ان کے لیے جمود میں چلے جاتا ہے۔ پھر ایسی کیمیاوی تبدیلیاں لازمی ہو جاتی ہیں جو مستقبل کی نسل میں مسائل پیدا کرتی رہتی ہیں۔ اس صورت حال کو The Process of epigenetics کہا جاتا ہے۔ جنگ اپنے اثرات آنے والی نسلوں میں منتقل کرتی ہے۔

غزہ میں اسرائیل نے تقریباً بیس سال سے ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ اس لیے وہاں براہ راست سائنس تحقیق نہیں کی جا سکی۔ اس کے باوجود غزہ کے بچوں پر منفی اثرات دوگنا شدید ہیں۔ سائنس دانوں نے غزہ، چین، ہالینڈ اور ہولوکاسٹ میں جنگ اور بھوک مسلط کیے جانے کا سائنسی جائزہ لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

''موجودہ صورت حال اس قدر نقصان دہ ہے کہ وہ بچوں کی صحت کو تا دیر متاثر کرتی رہے گی۔ آنے والی نسلوں پر اس کے منفی اثرات پڑیں گے۔ امن ہو بھی جائے تو بھی جو نقصان ہونا تھا، وہ ہو چکا ہے۔ قوت مدافعت کہاں تک ساتھ دے سکتی ہے۔ یہ سب بہت پہلے کے خوفناک صہیونی و امریکی منصوبوں کا نتیجہ ہے جواب سامنے ہے۔

پروفیسر تیسا روز بوم (Tessa Roseboom) کا کہنا ہے کہ ماؤں میں سٹریس ہارمونز میں تبدیلیوں کی وجہ سے بچوں کے جسم اور ذہن متاثر ہوتے ہیں۔

نازی دور میں بھی خوراک جبری طور پر روک لی گئی تھی۔ ہالینڈ کے مغربی حصے میں یہ بھوک مسلط کی گئی تھی۔ یہ واقعہ 1944ء اور 1945ء میں رونما ہوا تھا اور اس کے بڑے وسیع پیمانے پر منفی اثرات مرتب ہوئے تھے۔

اس واقعہ کو کئی عشرے گزر گئے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ جو مائیں جنگ کے آغاز اور دوران میں حاملہ ہوئیں، ان کے بچوں کو بھی غزہ میں منفی اثرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پروفیسر ٹیسا روز بوم ایمسٹرڈیم یونیورسٹی میں بائیالوجی کی استاد ہیں۔ ان کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ انہوں نے ہالینڈ میں نازی جرمنی کے مسلط کردہ قحط اور ان کا وراثتی مادہ پر اثرات پر تحقیق کی ہے۔ ان کا کہنا ہے:

''ہم نے باپ کو دیکھا اور مشاہدہ کیا ہے کہ وہ قدر غیر محفوظ ہے۔ وہ کسی سلامتی سے خالی ہے، دباؤ شدید ہے اور غذائی کیفیت بہت خطرناک حد تک منفی ہے۔ وہ ان کیفیات میں رہ رہا ہے اور اس کے بچے بھی آسمان کو تکتے، کانوں پر ہاتھ رکھتے اور اپنے سر کو دونوں ٹانگوں میں چھپاتے ہیں۔ اس حالت میں بھی بمباری ہوتی ہے، ان پر گھر کا ملبہ گرتا ہے، خیمہ ہو تو میزائل تباہی مچاتا ہے۔ بچے اس سے شدید متاثر ہوتے ہیں۔''

2015ء میں ریچل یہودہ نے ایک اہم تحقیقی مطالعہ پیش کیا تھا۔ اس میں ہولوکاسٹ سے بچ جانے والوں اور ان کے بچوں پر اثرات دیکھے گئے۔ ان افراد کی تعداد 32 تھی۔ ان میں مرتب ہونے والے اثرات میں Epigenetic پر سٹریس بہت زیادہ تھا۔ یہودہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہولوکاسٹ سے بچ جانے والوں کے بچوں پر اثرات ان کے والدین سے منتقل ہوئے تھے۔

ڈاکٹر لیون موتیسا (Dr. Leon Mutesa) کا تعلق یونیورسٹی آف روانڈا سے ہے۔ وہ کہتی ہیں:

''غزہ کی طرح کے جنگ زدہ علاقوں میں لوگوں کے دکھ، بھوک زدہ اموات، دربدر ہونے کا درد، مسلسل اور تھمنے والا تشدد سب مل کر گہرا اجتماعی ٹراما پیدا کر رہے ہیں۔''

ڈاکٹر لیون کا شمار روانڈا میں بڑے محقق کے طور پر کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''آج ہم غزہ کو دیکھ رہے ہیں۔ مرض شدید ہے، علامات ظاہر ہیں۔ یہ علامات خوف، سٹریس موجود ہیں۔ ان کی سطح (Cholesterol) پر نمایاں ہیں۔ یہ علامات اٹھتے وراثتی مادے کی آئندہ نسلوں میں بربادی کا اشارہ دے رہی ہیں۔ ہم روانڈا میں ان علامات اور امراض کو دیکھ چکے ہیں۔''

ڈاکٹر لیون ماضی کو یاد کر کے کہتی ہیں کہ:

''نسل کشی کے دوران پیدا ہونے والے بچوں میں یہ امراض اور ان کی علامات موجود

تھیں۔ اب یہ سب کچھ غزہ میں نظر آ رہا ہے۔ ڈپریشن، تشویش، بائی پولر مسائل، شیزوفرینیا اور دوسرے نفسیاتی چیلنجز نظر آ رہے ہیں۔''

انہوں نے مزید کہا:

''غزہ جیسے حالات میں اثرات دوگنا سنگین ہو جاتے ہیں۔ تکلیف اور درد کی کئی تہیں ابھر آتی ہیں۔ بھوک زدہ اموات بڑھ جاتی ہیں۔ گھر چھن جاتا ہے، ملبہ گھر کے ہی پیاروں پر گرا ہے۔ یہ اجتماعی شعور کو برباد کر رہا ہے۔''

فلسطینی صحت کے حکام کا کہنا ہے کہ اسرائیل نے کم و بیش 20 ہزار بچے قتل کر دیے۔ مزید 30 ہزار سے زیادہ زخمی ہیں۔ یہ اعداد و شمار یونیسف کے بھی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اسرائیل نے اتنی بڑی تعداد میں بچوں کو کیوں قتل کیا؟

اس سال اگست میں 12 ہزار 8 سو ایسے بچوں کی غزہ میں شناخت عالمی اداروں نے کی جو شدید کم غذائیت میں زندہ تھے۔ ان کی تصدیق کرتے ہوئے اقوام متحدہ نے بتایا کہ یہ کم سے کم تعداد ہے اور اس کی تردید کی ہی نہیں جا سکتی۔ یہ سیدھے سیدھے ایپی جینیٹکس Epigenetics کے حالات ہیں۔

ان کے بارے میں بات کرتے ہوئے یونیورسٹی آف وسکونسن میڈیسن کے پروفیسر حسن خطیب نے بتایا کہ اس جنگ کے تباہ کن اثرات فلسطینیوں کی آنے والی نسلوں پر ہوں گے۔ دنیا نے جن واقعات میں (روانڈا، بوسنیا وغیرہ) جس طرح کے آئندہ نسلوں پر اثرات دیکھے ہیں، غزہ کے فلسطینی ان سے کہیں زیادہ ایسے دیکھیں گے۔ ایسے ایسے گھر گھر ہوں گے۔

''اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی کہ وراثتی تباہی غزہ کے لوگوں کے مستقبل کا انتظار کر رہی ہے۔ یہ ایسے زیادہ تر ان ماؤں کو دیکھنا اور سہنا پڑیں گے جو جنگ کے دنوں میں حاملہ ہوئیں۔ جب لڑکے بلوغت کو پائیں گے تو ان میں وراثتی کمزوریاں نمایاں ہونے لگیں گی۔''

خطیب نے بتایا کہ بھیڑ پر ہونے والے تجربات غزہ میں دہرائے جا سکتے ہیں۔ فلسطینی باپ بھوک زدہ حالات اور بیماریوں کے حملوں کا سامنا کرتے ہوئے گزرا ہے، اس کے بچے اعضاء کی کمزوری، معذوری اور بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت کی بے بسی سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ یہ اثرات کم از کم آئندہ دو نسلوں میں بہت زیادہ اور نمایاں ہوں گے۔ خطیب نے مزید بتایا کہ مستقبل میں غزہ کے ہر فلسطینی کو خود سے ایسی ہی ہولناک جنگ کا سامنا کرنا ہے۔ لوگوں پر پڑنے والے اثرات نہایت منفی ہیں۔''

ہم نے آغاز میں روان کا ذکر کیا تھا۔ اگر اس بچی کے معاملے کو دوبارہ دیکھیں اور ان کے خاندان کا طبی پس منظر بھی سامنے رہے تو ماہرین کا خیال ہے کہ روان کو مستقبل میں بہت سنجیدہ طبی و نفسیاتی چیلنجز کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس پر وراثتی مادہ (ایپی جینیاتی) کے اثرات ابھریں گے۔ روزبوم کا کہنا ہے کہ یہ بچی نہایت ہی کم غذائی فراہمی کا مسلسل شکار رہنے والے بچوں میں سے محض ایک ہے۔ اس وجہ سے روان میں میٹابولک تبدیلیاں ہوں گی۔ وہ ذیابیطس (شوگر) سے لے کر دل کے امراض سے بھی دوچار ہو سکتی ہے۔

روان الدرینی بولتی ہے تو سننے کو ماں ترستی ہے، لیکن وہ بہت ہی کم بات کرتی ہے۔ اس کا مدافعتی نظام بہت کمزور ہو گیا ہے۔ وہ اسرائیل کی ناکہ بندی کی شکار بھی رہی ہے۔ تب بھی وہ دل کے امراض کی طرف لپک رہی تھی۔ وہ ایک خطرناک کیفیت میں ہے۔

ڈاکٹر موتیسا کہتی ہیں کہ جنگ کی وجہ سے اور بھوک کے طویل دورانیے کی بناء پر اس کے وراثتی مادہ (جینز: Genes) میں تبدیلیاں آئی ہیں۔ اس طرح وہ اور مستقبل میں اس کی ممکنہ اولاد ان تبدیلیوں کی زد میں رہیں گے۔ اب جنگ بند ہو گئی ہے یا تھم گئی ہے تو امید کی جا سکتی ہے کہ وہ مزید چیلنجز سے بچ سکے گی لیکن ناکہ بندی کا علم نہیں، وہ ابھی کتنے دکھ بانٹے گی۔

روان کے والد محمد الدرینی تو بہت پہلے امید کا اظہار کر رہے تھے کہ یہ جنگ تھم جائے گی۔ رکنے کا معاملہ الگ ہے۔ اسرائیل اپنی خباثت سے باز نہیں آئے گا۔ محمد الدرینی کہتے ہیں کہ ہم نارمل زندگی کی جانب لوٹ سکیں گے۔

تحقیق تو یہ بھی بتاتی ہے کہ نارمل زندگی سے نہ صرف رہن سہن بہتر ہوتا ہے، ماحول خوش گوار ہوتا ہے۔ وراثتی مادے پر مثبت اثرات مرتب ہونے لگتے ہیں، محفوظ طرز زندگی، غذا تک رسائی، صحت عامہ کی سہولتیں، جرم سے نجات سب خوش کن زیست کے لیے دستیاب ہونے لگتے ہیں۔

پہلے ہی نقصان بہت ہو چکا۔ اب گھروندے گھروں میں بدلنے ہیں، ملبے سے پرے زندگی کرنا ہے، زندہ رہنا ہے۔ کچھ بھی ہے، محمد الدرینی کہتے ہیں کہ عزم مسلسل سے ہم رواں اور اس جیسے ہزاروں بچوں کا مستقبل محفوظ بنائیں گے۔ اب کوئی ساحلی عیاشی کا نیا اڈا (Riveria) نہیں بل کہ غزہ بنے گا۔

نیتن یاہو ہم تمہیں اور تمہاری صہیونیت کو شکست کا مزہ چکھا چکے ہیں۔

خصوصی رپورٹ: لمیس تغرید

اسرائیل پر نسل کش جنگ کے اثرات

ٹائمز آف اسرائیل نے غزہ میں نسل کشی کے بعد کے اسرائیل پر ایک سٹوری سائمن سپیک میں کارڈل کے نام سے شائع کی ہے۔ اس کے مندرجات کا آغاز اس پروپیگنڈے سے ہوتا ہے، جسے بنیاد بنا کر قابض حکومت نے 7 اکتوبر 2023ء کو غزہ پر حملوں کا سلسلہ دراز کیا۔ سائمن کی یہ تحریر پڑھیں تو یوں لگتا ہے کہ اسرائیل ابھی تک ان 1200 افراد کا سوگ منا رہا ہے جن کی ہلاکت کی ذمہ داری حماس پر ڈالی جاتی ہے۔ اس میں بچوں کو ذبح کرنا، خواتین کو قتل کرنا اور نہ جانے کیا کچھ نہیں کہا جاتا۔ یہی کہانی سابق امریکی صدر جو بائیڈن کو فروخت کی گئی۔

کسی آزاد ذریعہ یا میڈیا نے، جو اسرائیل کے اثرات سے تب محفوظ تھا، اس کہانی کو درست قرار نہیں دیا۔ لیکن اسرائیلی حکومت مظلومیت کی چادر اوڑھے غزہ کے ان 70 ہزار سے زیادہ فلسطینیوں کی شہادت پر بات نہیں کرتی، اسے یہ نام نہاد 12 سو ہلاکتوں کا گہرا افسوس ہے۔

سائمن لکھتا ہے:

’’غزہ جنگ کو دو سال ہو گئے ہیں۔ اس جنگ نے 67 ہزار افراد کو قتل کیا ہے۔ (نوٹ کیجئے کہ اسرائیل نے یہ قتل نہیں کیے، جنگ میں قتل ہوئے ہیں)۔ اس جنگ نے دوسروں (22 لاکھ دوسرے ہیں) کو قحط زدہ (مانتے ہیں کہ یہ اسرائیل نے قحط کی مصنوعی فضا بنائی) کر دیا تھا۔ اس دو سال کے عرصے میں اسرائیل اپنے ہمسایوں پر بار بار حملے کرتا رہا۔ آج میرا ملک پوری دنیا میں تنہا رہ گیا ہے۔ اسرائیلی معاشرے کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا ہے۔‘‘

جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کے لیے ستمبر میں وزیراعظم نیتن یاہو کو دعوت دی گئی تو دنیا بھر کے ممالک اٹھ کر چلے گئے اور نیتن یاہو خالی خالی نگاہوں سے خالی ہوتی کرسیوں اور خالی ہال کو تکتے رہے۔ جانے والے بائیکاٹ کر رہے تھے اور اپنے عمل سے بتا رہے تھے کہ نیتن یاہو! تم غزہ کے مظلوموں کے قاتل اور ان کی نسل کشی کے ذمہ دار ہو۔ ہم تمہاری بات کیوں سنیں؟

سائمن نے جو کچھ لکھا ہے، اسے نیتن یاہو کو اس کے سٹاف نے بتایا ضرور ہوگا۔ الجزیرہ بند کرنے والے، انروا (UNRWA) جیسی تنظیموں پر پابندیاں لگانے والے یاہو کو اس کی کیا ہی پرواہ نہ ہوگی۔ بین الاقوامی منظرنامے میں ممالک میں ہی نہیں، دنیا بھر کے عوام کی نظروں میں بنیامین نیتن یاہو 20 ہزار بچوں کا مصدقہ قاتل ہے۔ اب وہ ہر طرح کی

حمایت کے لیے صرف اور صرف امریکہ پر ہی انحصار کر رہا ہے۔ فلسطین کی ورچول ریاست کو بہتوں نے دوران جنگ تسلیم کرلیا۔ یہ تسلیم کیا جانا محض اخلاقی شکست سہی، بہرحال اسرائیل کو تنہا کرنے میں اس کا علامتی حصہ ضرور ہے۔

اب اسرائیل کے اپنے تجزیہ کار، مبصرین اور علمی حلقے کہہ رہے ہیں کہ ہمارا معاشرہ جو کبھی ترقی پسند اور لبرل سمجھا جاتا تھا، اب قاتلوں اور بے رحم انسانوں کا معاشرہ کہا جانے لگا ہے۔ اسرائیلیوں کو لبرل معاشروں بمعہ امریکہ و برطانیہ قنوطی، منتقم مزاج اور انصاف دشمن کہا اور سمجھا جانے لگا ہے۔

اسرائیل کے سابق سفیر اور نیویارک میں قونصل جنرل ایلون پنکس نے الجزیرہ کو بتایا:

''اسرائیلی معاشرت اذیت ناک تکلیف میں ہے۔ دنیا بھر میں رائے دینے والے، سروے کرنے والے اور دیگر اسرائیل کی مذمت میں بیانات دے رہے ہیں، عالمی راہنما انٹرویو میں ہمیں برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ ایلون نے کہا:

''اکتوبر 2023ء میں برطانوی پارلیمان، ایفل ٹاور اور ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کو ہمیں مظلوم سمجھتے ہوئے روشن کردیا گیا تھا۔ آج ساری روشنیاں گل کردی گئی ہیں اور اندھیروں کا راج ہے۔''

ایلون پنکس نے مزید کہا:

''اسرائیل اور اس کی سیاست آج بھی اکتوبر 2023ء میں ہی الجھی ہوئی ہے۔''

یوشی میکل برگ بھی یہی سمجھتے ہیں۔ وہ چاتھم ہاؤس میں سینیئر کنسلٹنگ فیلو کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

سیاسی پنڈتوں کی رائے ہے، یہ بھی اسرائیلی ہیں، کہ اکتوبر 2023ء کو غزہ پر حملہ ہمارے سیاسی مزاج اور کردار کو ہمیشہ کے لیے طے کر گیا۔ اس کے باوجود سیاست دان کہہ رہے ہیں کہ یہ حملہ ہم نے درست کیا تھا۔ کسی میں اس کے خلاف بولنے کی جرأت ہی نہیں ہے۔

میکل برگ کہتے ہیں:

''دنیا آگے بڑھ گئی ہے۔ اسرائیل آج بھی اکتوبر 2023ء میں ساکت و جامدہ کھڑا ہے۔ اس نے غزہ میں جو کچھ کیا، یہ اس کم سے کم سزا ہے۔ غزہ میں ہر کوئی سمجھتا ہے کہ ہر ایک اسرائیلی اس حملے کا ذمہ دار ہے۔ وہ ایسا کیوں سمجھتا ہے۔''

اسرائیل کے پولیٹیکل سائنٹسٹ اوری گولڈ برگ نے الجزیرہ کو بتایا:

''اسرائیل اندر سے ٹوٹ چکا ہے، تھک چکا ہے، وہ پہلے سے زیادہ تشدد پسند ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے بہ حیثیت قوم اس جنگ کی حمایت کی ہے۔''

انہوں نے مزید کہا:

''اب یہ قوم جنگ کی حمایت کرنے اور مخالفت کرنے والوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ ہم نے ایک ایسی جنگ لڑی ہے جس کی مخالفت دنیا کر رہی تھی اور ہم اسے نظر انداز کر رہے تھے۔''

گولڈ برگ کا کہنا ہے کہ وہ روزانہ نئے طریقے دریافت کرتے ہیں تاکہ پریشان کن سوالات اور موضوعات کو نظر انداز کر سکیں۔ مثال کے طور پر جنگ تو بند ہوگئی ہے، ہمارے یرغمالی کب وطن واپس آئیں گے؟ کیا اگلے 24 گھنٹوں میں ان کی واپسی کا امکان ہے؟ انہیں غزہ میں یرغمال بنے 24 مہینے ہوگئے ہیں، کیا یہ سزا کافی نہیں ہے؟ ہماری فوج دنیا کی طاقتور فوج ہے، پھر یہ غزہ سٹی فتح کیوں نہ کر سکی؟ وغیرہ۔

اسرائیل میں کوئی بھی یہ سننے کو تیار نہیں ہے کہ ہم نے غزہ میں ہزاروں لوگ مار دیے۔ کوئی یہ ذکر کرنا یا سننا پسند نہیں کرتا۔ کوئی نہیں کہتا کہ ہم نے غزہ پر بھوک مسلط کردی، فلسطینیوں کو قحط سے دوچار کردیا۔ ہم انہیں بار بار بے گھر کرتے رہے۔ یہ سب انہوں نے برداشت کرلیا جو زندہ رہ گئے ہیں۔ کیا وہ یہ سب بھول جائیں گے؟ کبھی نہیں۔

دوسری طرف ان کے انصاف کا یہ عالم ہے کہ حماس اور دیگر تنظیموں کے پاس اسرائیلی یرغمالیوں کے مستقبل نے ایک خوف طاری کر رکھا ہے۔ کسی یرغمالی کے براہ راست اہل خانہ شدید کرب میں ہیں۔ ان کے قریبی اعزاء واقربا روزانہ ایک دوسرے کو حوصلہ دیتے رہے، ان کی ڈھارس بندھاتے اور ان کے لیے مظاہروں کا اہتمام کرتے اور خود ان میں شرکت کرتے رہے۔

اسرائیلی عوام جنگ جاری بھی رکھنا چاہتے تھے اور فوری جنگ بندی بھی چاہتے تھے۔ جنگ بندی کے حامی اس لیے رہے کہ غزہ سٹی پر حملے کے لیے ہزاروں ریزرو فوجیوں کو لازمی فوجی سروس کے لیے طلب کرلیا گیا۔ اس طلبی نے 18 سال یا اس سے بڑے ہر جوان کو ایک ٹراما میں مبتلا کردیا۔ اس طلبی کے خلاف اسرائیل بھر میں بڑے بڑے مظاہرے ہونے لگے۔ پہلے پہل تو مطلوبہ نوجوانوں نے مظاہرے شروع کیے۔ پھر ان کے والدین، عزیز واقارب بھی شرکت کرنے لگے۔ ایک انجانا خوف تھا جس نے ان کو گرفت میں لے رکھا تھا۔ والدین کو یہ خوف لاحق تھا اور بے چین رکھے ہوئے تھا کہ یہ مرنے جا رہے ہیں یا حماس ان کو یرغمال بنا لے گی۔

اسرائیل میں خودکشی کی شرح بڑھنے لگی، گھریلو تشدد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ نوجوانوں میں بالخصوص اور ان کے والدین میں بالعموم پوسٹ ٹراما سٹریس ڈس آرڈر کے گہرے اثرات نمایاں ہیں۔ گول برگ کا کہنا ہے کہ جنگ بڑی تعداد میں لوگوں کو

خوف میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔

سڑکوں پر ڈرائیوروں نے ٹرن سگنلز کو استعمال کرنا چھوڑ دیا تھا۔ لوگ سڑکوں پر ایک دوسرے سے ذرا سی بات پر الجھتے رہے، ایک دوسرے کو حادثات کا زیادہ شرح سے ذمہ دار ٹھہرانے لگے تھے۔ تل ابیب میں ساحل پر گورڈن سوئمنگ پول ہے۔ یہ 1956ء سے استعمال میں ہے۔ اگست 2025ء میں پول پر آنے والوں کو ایک خط میں ہدایت کی گئی کہ کسی قسم کے منفی طبعی یا لسانی تبادلے سے اجتناب کریں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پول کے اندر بھی سوئمنگ کے دوران میں لوگ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ لڑائی، مارکٹائی کے واقعات رونما ہونے لگے تھے۔ تب یہ خط جاری کیا گیا۔

غزہ میں فلسطینیوں کو بے دریغ قتل کرنے اور ذبح کرنے کے واقعات کی گونج اسرائیلی پارلیمان میں بھی سنی گئی۔ وہاں سرکاری اپوزیشن میں جنگ کی مخالفت میں اٹھنے والی آوازیں بڑھتی گئیں۔

اس صورت حال نے دو وزیروں کو بنیامین نیتن یاہو کے اقدامات پر ایک طرح کا ویٹو دے دیا تھا۔ ان میں پہلے قومی سلامتی کے وزیر اتمار بن غفیر تھے اور دوسرے وزیر خزانہ بزازیل سموٹریش تھے۔ یہ جنگ بندی کے شدید مخالف رہے۔ انہیں جگہ جگہ، حتیٰ کہ پارلیمان کے اندر، اس کی راہداریوں، ان کے دفاتر کے باہر لوگ گھیر لیتے۔ انہیں اپنے ان بچوں کے قاتل قرار دیتے جن کو فوج کے سپاہی بنا کر غزہ بھیجا گیا تھا۔

میکل برگ کہتے ہیں:

''اسرائیلی سیاست اپنی جان کے لیے لڑنے کی جنگ میں تبدیل ہوگئی تھی۔ یہ صورت حال جنگ کے ساتھ پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جنگ نے اس صورت حال کو بہت زیادہ تیزی دے دی تھی۔ یہ گزشتہ انتخابات کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی۔ عام خیال یہ تھا کہ ان انتخابات نے ایک سنکی اور موقع پرست شخص کو وزیر اعظم بنا دیا تھا۔

2022ء سے لے کر جنگ کے شروع ہونے تک نیتن یاہو مسلسل دباؤ میں رہے۔ وہ حکمران اتحاد کو قائم رکھنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ ان کے اتحادی ان سے کہیں زیادہ سنکی اور موقع پرست تھے۔ اس میں تصادم رہتا اور اس کی بڑی وجہ نیتن یاہو کی انتہائی دائیں بازو کی پالیسیاں تھیں۔ وہ سخت گیر دائیں بازو کے پسندیدہ تھے۔ وہ آبادکاروں کے نمائندوں کے نرغے میں رہتے۔ انہیں ذاتی حیثیت میں وہ تمام مقدمات بہت تنگ کرتے رہے، اور وہ ان کی وجہ سے سخت پریشان تھے اور اب بھی ہیں، جن کا تعلق ان کی کرپشن سے رہا ہے۔ یہ معاملات 2019ء سے چل رہے ہیں۔

پنکس کا کہنا ہے کہ نیتن یاہو کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں نااہل اپوزیشن ملی ہے۔ اپوزیشن کے ارکان ان کی حکومت میں مختصر دورانیے کے لیے آتے اور پھر چھوڑ جاتے جس سے حکومت کی قانونی حیثیت کا سوال بار بار اٹھتا رہا۔

اسرائیل کے رفاہ پر تباہ کن حملے سے لے کر غزہ سٹی پر حملے تک کے دوران نیتن یاہو کی اتحادی کابینہ اور پھر جنگی کابینہ بار بار بدلتی رہی، حکومت ہچکولے کھاتی رہی۔

اسرائیل میں آبادکار یہودیوں اور انتہائی دائیں بازو کے ارکان پارلیمان اور کیبنیٹ کے باہر سیاست دانوں نے سیاسی ماحول سے جمہوریت کو نکال باہر کرنے میں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ان کی سیاست کا مقابلہ کرنے کے لیے مغربی کنارے میں تشدد کو بڑھانے میں مسلسل حصہ ڈالے رکھا۔ وہ وزراء پر بھی کنٹرول رکھتے تھے اور ان پر ہر وقت دباؤ بڑھاتے رہتے تھے۔ وہ مغربی کنارے کی سیاست بھی کنٹرول میں رکھتے تھے۔ ان کی وجہ سے ان علاقوں میں آبادکار یہودیوں نے مقامی فلسطینی آبادیوں کے ناک میں دم کیے رکھا۔

جنگ کے دوسرے سال کے نصف سے اسرائیل کے اتحادی ممالک برطانیہ، کینیڈا، فرانس اور آسٹریلیا کی بے چینی غزہ میں فلسطینیوں کے بڑھتے قتل عام اور نسل کشی نے بہت بڑھا دی تھی۔ ان ممالک کی پالیسیوں کے خلاف ان کے اپنے عوام سڑکوں پر بھاری تعداد میں نکل آئے تھے۔ رائے عامہ فلسطین کے حق میں اور اسرائیل کے خلاف ہو رہی تھی۔ پھر مغربی کنارے میں بڑھتے تشدد نے دباؤ میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

یورپی یونین کو اسرائیل کی غیر مشروط حمایت خیال کیا جاتا ہے، یونین نے بھی دھمکی دے دی تھی کہ وہ اسرائیل سے تجارت معطل کر دے گی، اس پر پابندیاں لگا دی جائیں گی۔

اقوام متحدہ کے اندر اس کی جنرل اسمبلی کے 192 میں سے 159 ممالک اسرائیل کے خلاف ووٹ دے رہے تھے۔ سلامتی کونسل کے چار مستقل ارکان نے فلسطین کی ریاست کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہاں امریکہ بھی تنہا رہ گیا تھا۔ پہلے پہل کہا گیا کہ یہ کسی بڑی غلط فہمی کا نتیجہ ہے یا یہ بڑھتی یہود دشمنی ہے جس نے تیزی سے قدم جمائے ہیں۔ اسرائیل کا فلسفہ دم توڑ رہا ہے۔

پھر یہ بات اسرائیل میں عام ہوتی گئی کہ ان تمام مسائل کی وجہ اور بنیاد نیتن یاہو کی سنکی ذات ہے۔ اس خیال نے بھی کام نہ کیا۔ اسرائیلی عوام کہتے تھے کہ ساری دنیا مخالف ہوگئی ہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہر ملک اپنی ضروریات کے مطابق اقدامات کرتا ہے۔ اسی سوچ نے دو سال تک اسرائیل، امریکہ اور ان کے اتحادیوں کو فلسطینیوں کی نسل کشی کرنے میں مدد دی۔ یہ سوچ جنگی جرائم کو بڑھاتے جانے کا سبب بنی۔

براہ راست رپورٹ: اقراء فہد

غزہ میں تباہی کا سوداگر: امریکہ

اسرائیل کبھی بھی اس قابل نہیں تھا اور نہ دو سال سے غزہ پر مسلط کردہ جنگ میں نسل کشی کر پاتا، شام، لبنان اور ایران پر حملے نہ کر پاتا، اگر اسے ان حملوں کے لیے امریکہ نے 39 ارب ڈالر کی خطیر امداد نہ دی ہوتی۔ یہ حقیقت حال ہی میں دو رپورٹوں کے منظر عام عام پر آنے سے آشکار ہوئی ہے۔ یہ امریکی مالی امداد ہی تھی جس نے اسرائیل کو اگے لگائے رکھا۔

یہ رپورٹیں براؤن یونیورسٹی کاسٹ آف وار پراجیکٹ نے جاری کی ہیں۔ ان رپورٹوں سے معلوم ہوا ہے کہ امریکی اسلحہ اور رقم کے بغیر اسرائیل کبھی بھی اس قابل نہ تھا کہ وہ غزہ میں نسل کشی (Genocide) کی جنگ مسلط رکھ پاتا، ایران سے جنگ چھیڑتا اور یمن پر بار بار بمباری کرتا۔

ان رپورٹوں کے مندرجات کی تصدیق اُن تجزیہ نگاروں نے بھی کی ہے جو مسلسل کہہ رہے ہیں، لکھ رہے ہیں کہ جنگ غزہ یا خطے میں اپنے پڑوسی ملکوں پر بلا اشتعال بمباری کرنا بالکل ناممکن تھا۔ اگر امریکہ نے اسرائیل کو 39 ارب کی مالی امداد اور سفارتی پشت پناہی نہ کی ہوتی گویا اسرائیل کرایے کا قاتل تھا جسے ان ممالک پر حملے اور فلسطینیوں کی نسل کشی کی قیمت ادا کی گئی۔ مڈل ایسٹ کونسل کے فیلو عمر رحمان نے الجزیرہ کے ساتھ ان رپورٹوں کے بارے میں گفتگو کی۔

غزہ پر اسرائیل کی جنگ نے 67 ہزار سے زیادہ فلسطینیوں کو موت کی نیند سلا دیا۔

عمر رحمان کا کہنا ہے:

’’امریکی سپورٹ نے تمام سطحوں پر اسرائیل کو اس قابل بنایا اور اس کے لیے یہ ناگزیر ہو گیا کہ وہ غزہ اور دیگر ممالک پر جنگ مسلط رکھے۔ یہ امریکہ کے چوائس پر منحصر تھا کہ اسرائیل کب اور کہاں اور کتنا حملہ کرتا ہے۔‘‘

ہزاروں فلسطینیوں کے بارے میں اب بھی یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ وہ عمارتوں کے ملبے تلے دبے ہوئے ہیں۔ اب روزانہ کی بنیاد پر ان کی لاشیں برآمد ہو رہی ہیں۔ یمن میں بھی اسرائیل کے حملوں میں درجنوں لوگ مارے گئے۔ ایک جائزے کے مطابق یہ تعداد ایک ہزار اموات سے بھی زیادہ ہے۔

اسرائیل کو امریکی سرمائے کی ضرورت:

اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ دو سال پہلے حماس کے اسرائیل پر حملے نے 1139 افراد کو ہلاک

کردیا تھا جب کہ 200 افراد کو یرغمال بنالیا تھا۔

اسرائیل کا ردِعمل یہ تھا کہ غزہ کو تباہ کرنے پر تُل گیا۔ اس نے ایک بڑی جنگ شروع کردی۔ اس سے قبل اس خطے میں کسی گروہ کے خلاف اتنی بڑی جنگ شروع نہیں کی تھی۔

اسرائیل نے ان پڑوسی ممالک پر حملوں کے ساتھ ہی مغربی کنارے میں چھاپے مارنے، مقامی فلسطینیوں پر بلاجواز تشدد، گھروں کو جلانے اور بلڈوز کرنے کا سلسلہ بھی غیر معمولی طور پر بڑھا دیا۔ اس نے لبنان میں 4,000 افراد کو قتل کیا، گاؤں کے گاؤں زمین سے ان حملوں میں مٹا دیے گئے گویا غائب کردیے گئے۔ لبنان پر نہ صرف حملے کیے بل کہ بعض حصوں پر جنوبی لبنان میں قبضہ کرلیا، شام کے علاقوں پر قبضہ جمالیا، دمشق میں ایران کے قونصل جنرل کے دفاتر تباہ کردیے۔ ایران کے خلاف 12 روزہ جنگ شروع کردی۔ یمن کے حوثیوں پر حملے کیے۔

اسرائیل ان جنگوں کے کبھی بھی قابل نہ تھا۔ اس کی پشت پر امریکہ کھڑا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے ڈالر دے رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اسلحہ بھی دے رہا تھا۔ اس کی ٹیکنالوجی اسرائیل کو دستیاب تھی۔ Quincy Institute for Responsible Statecraft کے سینئر ریسرچ فیلو ولیم ڈی ہارٹنگ کا کہنا ہے کہ:

''اخراجات کے جاری اور مستقبل کے سکیل کو سامنے رکھیں، یہ بالکل واضح ہے کہ اسرائیلی فوج ہرگز اتنے بڑے پیمانے پر نقصان پہنچانے کے قابل نہ ہوسکتی، جس قدر اس نے تباہی مچائی ہے اور نہ ہی وہ پورے خطے میں اپنی فوجی سرگرمیوں کا دائرہ ہی وسیع کرپاتی۔

یہ سب اس لیے ممکن ہوا کہ اسے امریکہ کی مالی، فوجی اور سیاسی سپورٹ حاصل تھی۔

انسٹی ٹیوٹ نے امریکی فوجی امداد، اسلحہ کی فراہمی (اکتوبر 2023ء تا ستمبر 2025ء) کے لیے اسرائیل کے کھیل کھیلنے کی پشت پر امریکی کردار مفصل رپورٹ بھی شائع کی ہے۔ یہ ولیم ہارٹنگ نے تیار کی ہے۔ اس رپورٹ کو مشترکہ طور پر کاسٹ آف وار اور Quincy انسٹی ٹیوٹ نے شائع کیا ہے۔ یہ انسٹی ٹیوٹ اپنے تعارف میں رپورٹ کے آغاز میں بیان کرتا ہے کہ ہم ایسے تصورات پیش کرتے ہیں جو خارجہ پالیسی کو جنگ سے آزاد رکھ سکیں، فوجی مداخلت کا سدباب کرنے سفارت کاری آزمانے میں معاون ثابت ہوسکیں۔ امریکی پالیسی سازی بھی اس کام کا اہم حصہ ہے۔

ہارٹنگ کی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ لنڈا اے بلمز کی ایک ایکسپرٹ رپورٹ کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ امریکہ نے جنگ پر 31.35 ارب ڈالر سے 33.77 ارب ڈالر خرچ کیے۔ لنڈا اے بلمز ہارورڈ کینیڈی سکول میں بجٹ سازی اور اس سے متعلقہ امور کی ایکسپرٹ ہیں۔ یہ امداد اسرائیل کو گئی ہے۔ اس امداد سے اس خطے میں فوجی سرگرمیوں کے اخراجات بھی شامل ہیں۔ ایران پر امریکی حملے کے اخراجات بھی اسی سے پورے کیے گئے ہیں۔

یہ سب رپورٹیں ثابت کررہی ہیں کہ امریکہ خود ان ممالک کی پالیسیوں پر اثر انداز ہونا چاہتا تھا۔ ابھی امریکی کانگریشنل رپورٹس آئیں گی، سینیٹ کمیٹیوں میں سوال جواب ہوں گے یا مستقبل میں دستاویزات منظر عام پر آئیں گی تو حقیقت زیادہ کھل کر سامنے آئے گی۔ اب تک منظر عام پر آنے والی اسرائیل کی امداد 21 ارب ڈالر سے 34 ارب ڈالر ہے، پھر معلوم ہوسکے گا کہ اصل میں کس قدر ڈالرز کن مقاصد کے لیے استعمال کیے گئے۔

غزہ میں خرچ کیے جانے والے ڈالرز اربوں میں ہیں لیکن سعودیہ، قطر اور امارات سے کمائے گئے ڈالرز کھربوں میں ہیں۔ اسرائیل کو امریکہ ایسی اور دیگر مدات میں سپورٹ کا ماضی بہت پھیلا ہوا ہے جب بھی امریکہ کی خارجہ امداد کا حوالہ آتا ہے، اسرائیل اس کا بہت بڑا حصہ وصول کرتا رہا ہے۔ امریکہ نے اپنا سب سے پہلا فری ٹریڈ ایگریمنٹ (FTA) بھی اسرائیل ساتھ کیا تھا۔ 1999ء سے 2009ء تک امریکہ اسے سالانہ 2.7 ارب ڈالر دیتا رہا ہے۔ پھر یہ امداد 2019ء تک 3 ارب ڈالر کردی گئی۔ 2019ء کے بعد اسرائیل کو دی جانے والی امداد 3.8 ارب ڈالر سالانہ کردی گئی۔ یہ کم سے کم امداد تھی جو اسرائیل کو ملتی رہی۔ امریکی رکن کانگریس مائیک کیلی ری پبلکن کی تحریک پر اسرائیل کو حماس کے خلاف استعمال کرنے کے لیے 2 نومبر 2023ء کو 14 ارب ڈالر کی امداد دی گئی۔ اسرائیل کے لیے منظور کرنے والی امداد 26.38 ارب ڈالر تھی۔ اس میں سے 4 ارب ڈالر اسرائیل کے دفاعی نظام آئرن ڈوم کو بہتر بنانے کے لیے دیے گئے۔

گزشتہ کئی عشروں میں، انتظامیہ ڈیموکریٹ رہی یا پھر ری پبلکن، امریکی امداد اسرائیل کو بلا رکاوٹ ملتی رہی۔ ہارٹنگ رپورٹ بیان کرتی ہے کہ انتظامیہ جو بائیڈن کی تھی یا اب ان کے ڈونلڈ ٹرمپ کی ہے، دونوں اسرائیل کو اربوں کھربوں ڈالرز دیتے رہے اور دے رہے ہیں۔ اسرائیل کو باقی رکھنے کی امریکہ بھاری قیمت ادا کرتا ہے۔ ان میں اسلحہ فروخت کے معاہدے، فوجی خدمات، ہتھیاروں کی مسلسل فراہمی بھی شامل ہے اور آئندہ بھی یہ فراہمی جاری رہے گی۔

اس امداد نے بنیادی طور پر ایک کام یہ کیا ہے کہ اسرائیل نے بین الاقوامی قانون کی کبھی پرواہ کی ہے اور نہ پڑوسی ممالک میں مداخلت کرنے اور کارروائیاں کرنے سے رک سکا ہے۔ اس کام میں پورا مغرب ملوث ہے۔ اس سے کیا جانے والا ہر سوال اور اقوام متحدہ کے اداروں میں اٹھایا جانے والا ہر اعتراض امریکہ نے ویٹو کیا ہے۔ اس ویٹو کی بھی ایک الگ ہی تاریخ ہے۔

غزہ پر موجودہ اسرائیلی حملے اور وہاں مسلسل نسل کشی کی بھی لگاتار حمایت پر تاریخ میں پہلی مرتبہ اس کی حمایت میں پالیسی سازی کو حالیہ مہینوں میں عوامی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ سکالرز کی ایک بڑی تعداد نے اسرائیل کے اقدامات کو نسل کشی (Genocide) قرار دیا ہے۔ اس کی جامعات سے آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ عوامی سطح پر اسرائیل کا تاثر بری طرح متاثر ہوا ہے۔ واشنگٹن پوسٹ کے ایک پول کے مطابق ہر 10 میں سے 4 یہودی کہہ رہے ہیں کہ اسرائیل غزہ میں نسل کشی کرتا رہا ہے۔

تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ اسرائیل کے امریکی سیاسیات میں کردار پر داغ لگ گیا ہے۔ اب امریکہ میں اسرائیل کی لابی کی مشکلات میں غیر معمولی اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے۔

امریکی انتظامیہ میں بعض عناصر اب بھی خیال کرتے ہیں کہ یہ منفی تاثر عارضی ہے۔ مستقبل پر ان کا برقرار رہنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن میٹ دس کی طرح کے تجزیہ کار کہہ رہے ہیں کہ یہ لوگ خیالی دنیا میں رہ رہے ہیں۔ میٹ دس کا تعلق سنٹر برائے بین الاقوامی پالیسی سے ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مجھے نہیں لگتا کہ 2028ء کی ایک بھی پرائمری ڈیموکریٹ جیت سکیں گے۔ ان کا کہنا اس لیے قبل از وقت ہے کہ اس دوران میں بہت کچھ ابھی باقی ہے اور بہت کچھ تبدیل ہوجائے گا۔

جوناتھن ماسٹرز اور وِل میرو نے کونسل آن فارن ریلیشنز کے لیے ایک آرٹیکل US Aid to Israel in Four Charts لکھا ہے کہ امریکی امداد سے سب سے بڑا حصہ عشروں سے اسرائیل حاصل کرتا رہا ہے۔ اس نے اپنے ناجائز قیام 1948ء سے لے کر اب تک 300 ارب ڈالرز سے زیادہ وصول کیے ہیں۔ یہ ساری امداد اسرائیلی فوج کے

لیے تھی، معاشی امداد کے علاوہ ہے۔ امریکہ میزائل پروگرام کی ترقی کے لیے اسرائیل کو 50 کروڑ ڈالرز سالانہ دیے اور یہ فراہمی ابھی تک جاری ہے۔

اسرائیل اپنے پڑوسی ممالک اور حماس، حزب اللہ کے خلاف امریکی ساخت کے اسلحہ کا بے دریغ استعمال کرتا رہا ہے۔ اسے 1980ء کے عشرے سے امریکہ کے سٹریٹجک اسلحہ ذخائر سے خصوصی طور پر بھاری تعداد میں ملتا رہا ہے (اب امریکہ نے اسرائیل میں اپنے اسلحہ اور گولہ بارود کا بڑا ڈپو بھی قائم کرلیا ہے)۔

حماس کے خلاف غزہ جنگ کے لیے امریکہ میں اسرائیل کو اسلحہ، جنگی طیاروں، میزائل پروگرام، آئرن ڈوم کی اپ گریڈیشن وغیرہ کے لیے تین مرتبہ قانون سازی کی۔ اپریل 2024ء میں (Supplemental appropriations Act) منظور کیا گیا۔ اس ایکٹ کے تحت اسرائیل کو 8 ارب 70 کروڑ ڈالرز فوری فراہم کیے گئے۔ 2024ء میں ہی Appropriation Act میں اضافے کیے گئے۔ پھر 2025ء میں ہی اس ایکٹ کی ایک بار پھر منظوری دی گئی اور 3 ارب 80 کروڑ ڈالرز دیے گئے۔ امریکی امداد میں سے 6 ارب 70 کروڑ ڈالرز اسرائیل کے میزائل ڈیفنس پروگرام کے لیے دیے گئے۔ یہ میزان پہلے مصر، عراق اور اب لبنان، شام اور ایران پر استعمال ہوئے۔

مئی 2025ء میں اسرائیل کی وزارت دفاع نے انکشاف کیا کہ امریکہ نے اکتوبر 2023ء سے اب تک 90 ہزار ٹن اسلحہ اور جنگی آلات بمعہ جنگی طیارے فراہم کیے۔ یہ امداد 800 ٹرانسپورٹ طیاروں اور 140 بحری جہازوں کے ذریعے اسرائیل فراہم کی گئی۔ اس میں ٹینک، آرٹلری کا بارود، بم، راکٹ اور دیگر چھوٹا اسلحہ بھی فراہم کیا گیا۔

اسرائیل کو یہ اسلحہ کس طرح ملتا ہے؟

یہ اسلحہ اسے دو قوانین کے تحت دیا جاتا ہے۔ ان میں پہلا اور بڑا طریقہ فارن منسٹری فنانسنگ (FMF) کا ہے جب کہ اسلحہ جاتی خدمات فارن منسٹری سیلز (FMS) کے ذریعے اسلحہ دیا جاتا ہے۔ ایک تیسرا راستہ کمرشل معاہدوں کا ہے۔ یہ سارا اسلحہ گرانٹس کی صورت میں فراہم کیا جاتا ہے۔ ماضی کو دیکھا جائے تو اب تک دنیا کے کسی بھی ملک سے کہیں زیادہ اسرائیل کو دیا جارہا ہے۔ غزہ پر حملوں کے لیے صرف 2025ء میں (FMS) کے تحت اسے 751 معاہدوں کے ذریعے اسلحہ دیا گیا ہے۔ اس سارے اسلحہ کی مالیت 139 ارب ڈالر بنتی ہے۔ اسرائیل کو یہ سہولت بھی حاصل رہی ہے کہ وہ اس رقم سے اپنے ہاں کی فیکٹریوں کا اسلحہ بھی خرید سکتا ہے۔ ورنہ کسی اور ملک کو یہ سہولت حاصل نہیں ہے کہ وہ امریکہ کے ڈالر بھی لے اور اسلحہ کہیں اور سے خرید لے۔ اس طرح امریکہ کی اسلحہ ساز فیکٹریوں کا کام چل رہا ہے۔

اس قدر بڑے پیمانے پر اسلحہ لینے کے باوجود امریکی اسلحہ اسرائیل کے کل اسلحہ کا 20 فیصد ہی بنتا ہے۔ حاصل شدہ اسلحہ کے سالانہ معاہدوں کے لیے اسرائیل کو 50 کروڑ ڈالر سالانہ الگ سے بھی ملتے ہیں۔ اس رقم سے اسرائیل کے آئرن ڈوم، ڈیوڈز سلنگ، ایرو ون اور ایرو ٹو کو جدید بنانے کا کام کیا جاتا ہے۔ آئرن ڈوم اسرائیل کا اپنا تیار کردہ پروگرام ہے۔ ڈیوڈز سلنگ اور ایرو سسٹم امریکہ اور اسرائیل کا مشترکہ منصوبہ ہے۔ امریکی کمپنی لاک ہیڈ مارٹن اس میں صہیونی ریاست کی مدد کرنے کا ادارہ ہے۔

اسرائیل دوسرے ممالک سے بھی اسلحہ خریدتا ہے۔ اس سلسلے میں جرمنی بہت بڑا سپلائر ہے۔ اس سال اگست میں جرمنی نے اعلان کیا کہ وہ غزہ پر حملوں کی وجہ سے اسرائیل کو اسلحہ کی فراہمی بند کررہا ہے۔

غزہ میں بڑھتی شہادتوں کا مغرب پر حکومتوں پر کوئی نمایاں اثر پالیسیوں میں تبدیلی نہ لاسکا۔ انہی حکومتوں سے اسرائیل کو امریکہ کے 20 فیصد اسلحہ کے بعد 80 فیصد کا نمایاں حصہ مل رہا ہے۔ تاہم عوامی ردعمل بہت شدید رہا۔ تاریخ میں پہلی بار ان دارالحکومتوں میں لاکھوں افراد فلسطین کی آزادی کے حق میں نعرے لگاتے دیکھے گئے۔ اسرائیل کے مسلسل یکطرفہ حملوں نے صورت حال زیادہ سنگین بنادی۔ پھر اقوام متحدہ نے غزہ میں بھوک اور بیماری کی صورت کو باقاعدہ ''انسان کا بنایا ہوا قحط'' قرار دے دیا۔ انسانی حقوق کے بہت سے اداروں نے اس قحط کو انسانی بحران قرار دیا۔ دنیا اسرائیل کے فضائی حملوں پر سخت تشویش میں مبتلا ہونے لگی۔ اسرائیل نے کھلے میدانوں میں ٹینٹ بستیوں کو بھی نہ چھوڑا۔ اس سے یہ پیغام گیا کہ اسرائیل سب فلسطینیوں کو غزہ میں مارنا چاہتا ہے۔ بہت سے مغربی ممالک اسرائیل کے لیے امریکی امداد کو اپنے لیے پالیسی کے طور پر لیتے ہیں۔ اگر امریکہ ایک ہتھیار فراہم کرتا ہے تو یہ ممالک بیس فراہم کرتے ہیں اور کررہے ہیں۔ تاہم یہ سب مل کر غزہ فتح نہ کرسکے اور آج بھی تباہی کے سفر میں امریکہ کے ساتھ ہیں۔

براہِ راست رپورٹ: عبدالقیوم فہمید

مزاحمت قید کی زنجیریں توڑنے کی کلید، جب مغرور دشمن کو مزاحمت کے سامنے گھٹنے ٹیکنا پڑے!

فلسطین کی تاریخ میں مزاحمت کی لازوال قربانیوں سے ہزاروں فلسطینیوں کو صہیونی زندانوں میں قید سے آزادی نصیب ہوئی۔

جب قید کے فولادی دروازے کھلے اور برسوں بعد فلسطینی اسیران روشنی میں نکلے تو منظر تاریخ کے کسی معجزے سے کم نہ تھا۔

پچاس اور ساٹھ برس کے وہ چہرے جن پر وقت کے نشانات کندہ تھے، اپنے بچوں اور پوتوں کے سامنے کھڑے تھے جو انہیں صرف تصویروں میں جانتے تھے۔ گھروں کی دہلیز پر گلے ملنے والے یہ لمحات صدیوں کی جدائی کے آنسوؤں سے تر تھے۔

''طوفان الاحرار'' معاہدے کے تحت جب فلسطینی اسیران اپنے اہلِ خانہ کے آغوش میں پہنچے تو ماؤں کے ہاتھ لرز رہے تھے، آنکھیں یقین اور بے یقینی کے درمیان جھول رہی تھیں۔ جب کسی ماں نے بیٹے کی آواز پہچانی یا آنکھوں کی لرزش دیکھی تو ضبط ٹوٹ گیا اور آنسوؤں کا سمندر بہہ نکلا۔

یہ محض قیدیوں کی رہائی نہیں تھی، یہ تاریخ کی قید سے آزادی کی واپسی تھی۔ وہ نسل جو قابض اسرائیل کے سیاہ زندانوں میں جوان ہوئی، آج مزاحمت کے عزم کی صورت کھڑی تھی۔

یہ کہانیاں ایک سچائی دہراتی ہیں، آزادی دی نہیں جاتی، چھینی جاتی ہے۔

قابض اسرائیل کبھی رضا کارانہ طور پر کسی فلسطینی مجاہد کو رہا نہیں کرتا۔ اس کے فولادی دروازے صرف تب کھلتے ہیں جب میدانِ مزاحمت میں اس کی طاقت ٹوٹ جاتی ہے۔

آزادی ہمیشہ خون کے نذرانے سے لکھی جاتی ہے اور غزہ نے اس سچائی پر اپنے جسم سے مہر ثبت کی ہے۔ اس کے ملبوں سے اٹھتی چیخیں اور اذانیں آج بھی گواہی دے رہی ہیں کہ مزاحمت کبھی مر نہیں سکتی۔

''طوفان الاقصیٰ'' معاہدے میں فلسطینی مزاحمت نے 3985 اسیران کو رہائی دلوائی، جن میں سینکڑوں ایسے تھے جنہیں عمر قید یا طویل سزاؤں پر قید رکھا گیا تھا۔

فلسطینی اسیران کا مسئلہ ہمیشہ جدوجہدِ آزادی کا بنیادی ستون رہا ہے۔ قابض اسرائیل انہیں سودے بازی کا ہتھیار سمجھتا ہے، مگر فلسطینی قوم انہیں عزت، استقامت اور آزادی کی علامت مانتی ہے۔

1948 سے آج تک فلسطینی مزاحمت کی ہر لہر نے اسیران کی رہائی کو اپنا مرکزی ہدف بنایا۔ ہر معاہدہ طاقت کے توازن کا نیا پیمانہ ثابت ہوا۔ ایک طرف اپنی زمین سے جڑی ایک غیرت مند عوام اور دوسری طرف ایک مغرور قابض جو خود کو ''جمہوریت'' کے لبادے میں چھپاتا ہے مگر دراصل ایک نسل پرست قاتل ریاست ہے۔

قابض اسرائیل نے کبھی انسانیت یا قانون کے تحت اسیر نہیں چھوڑے، بلکہ ہمیشہ مزاحمت کی گولیوں، خندقوں اور قربانیوں کے دباؤ میں آ کر جھکنا پڑا۔ یہی وہ تاریخی تسلسل ہے جس نے فلسطین کی مزاحمت کو دنیا بھر کی آزادی کی تحریکوں کا تسلسل بنا دیا۔

''طوفان الاقصیٰ'' معاہدہ اس لیے بھی سنگِ میل ہے کہ یہ اس وقت عمل میں آیا جب قابض اسرائیل نے غزہ پر 735 دن طویل قتل عام، قحط اور بمباری مسلط کر رکھی ہے جو سات اکتوبر 2023ء سے جاری ہے۔

مگر یہ پہلا موقع نہیں جب مزاحمت نے دشمن کو جھکنے پر مجبور کیا۔ گذشتہ کئی دہائیوں میں فلسطینیوں اور عرب مجاہدین نے متعدد بار قابض اسرائیل کو قیدیوں کے تبادلے پر آمادہ کیا۔ ہر بار مزاحمت نے اپنی ثابت قدمی سے دشمن کی نام نہاد طاقت کے غرور کو چکنا چور کیا۔

صہیونی رعونت جسے فلسطینی مزاحمت کے سامنے بار با جھکنا پڑا

فروری 1980ء میں قابض اسرائیل نے فلسطینی مجاہد مہدی بسیسو (ابو علی) اور ولیم نصار کو رہا کیا، بدلے میں اردنی جاسوس امینہ داوود المفتی کو واپس لیا۔

نومبر 1983ء میں تنظیم آزادی فلسطین نے چھ اسرائیلی فوجیوں کے بدلے ساڑھے چار ہزار فلسطینی اسیران کو رہائی دلوائی۔ یہ اُس وقت کی سب سے بڑی تاریخی کامیابی تھی۔

مئی 1985ء میں معروف ''جبریل معاہدہ'' کے تحت 1155 فلسطینیوں کی آزادی عمل میں آئی، جو آج بھی فلسطینی مزاحمت کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اکتوبر 1997ء میں حماس کے بانی شیخ احمد یاسین کی رہائی نے دنیا کو دکھایا کہ ایمان اور مزاحمت کی طاقت فولاد سے زیادہ مضبوط ہے۔ اکتوبر 2011ء میں ''وفاء الاحرار'' معاہدے کے تحت القسام بریگیڈز نے ایک اسرائیلی فوجی کے بدلے 1027 فلسطینی اسیران کو رہا کرایا۔ ایک بار پھر دنیا نے دیکھا کہ قابض طاقت کو جھکانے والی اصل قوت مزاحمت ہے، نہ کہ ہتھیاروں کی تعداد۔

یہ تمام معاہدے صرف فلسطینی اسیران کی رہائی نہیں، بلکہ دشمن کے غرور کی شکست کا باب ہیں۔ ہر رہائی کے ساتھ ایک سچ اور روشن ہوا کہ قابض کی جیلیں جتنی بھی گہری ہوں، ایمان کی روشنی ان کی فصیلوں کو چیر دیتی ہے۔

فلسطینی مزاحمت کی یہ داستان دنیا کے ہر مظلوم کو بتاتی ہے کہ جب قوم اپنی آزادی کے لیے متحد ہو جائے، تو سب سے مضبوط زنجیریں بھی ٹوٹ جاتی ہیں۔

غزہ کے بچے، ان کی مائیں، اس کے مجاہد سب ایک عہد کی تمثیل بن چکے ہیں۔ وہ دنیا کو یاد دلا رہے ہیں کہ 'مزاحمت ہی آزادی کی کنجی' ہے۔

امید بہار: حافظ عمر فاروق

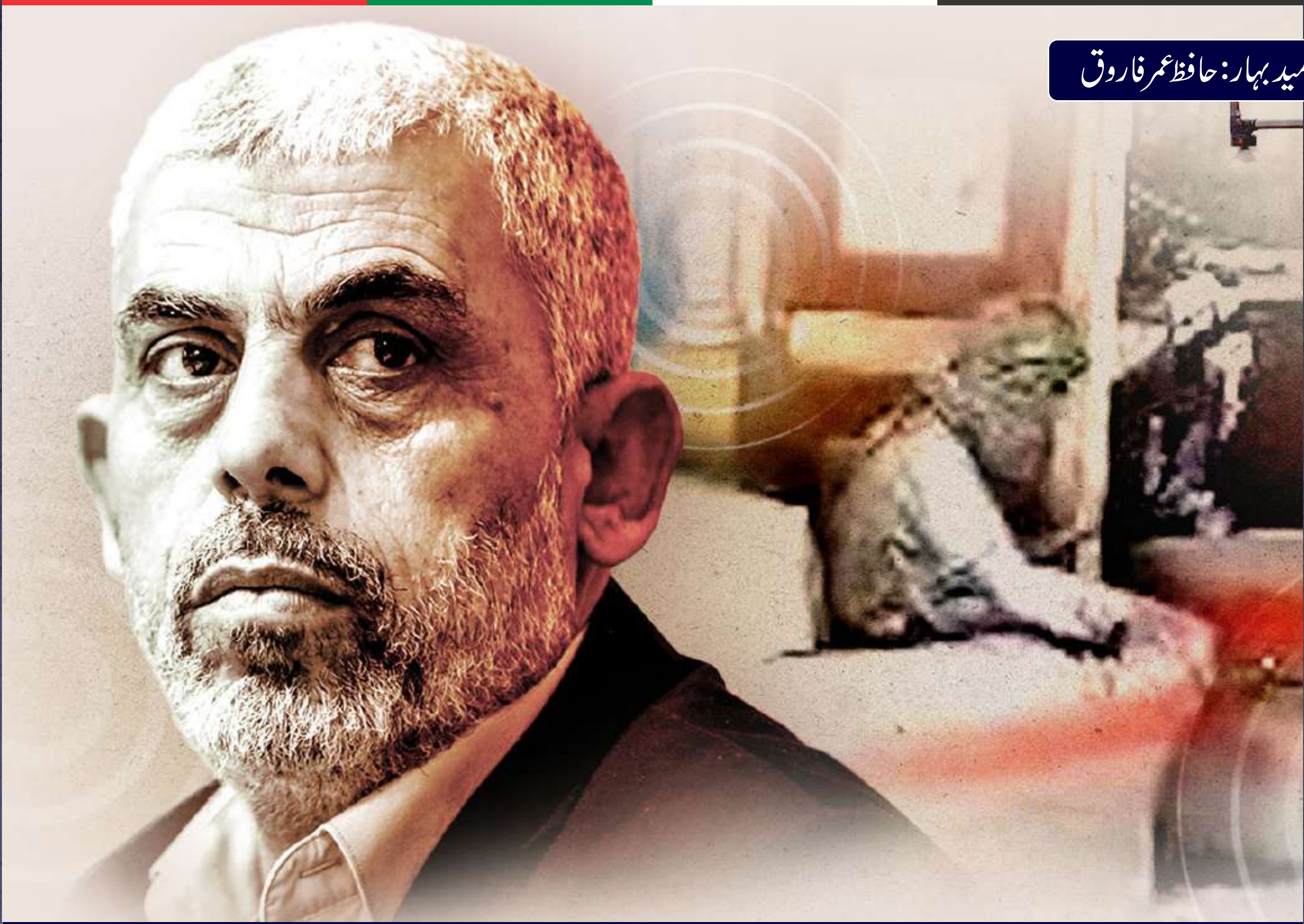

یحیٰی ابو ابراہیم السنوار شہید: آزادی کا پرچم تھامے رہے

شہید عبد القادر الحسینی اور شہید عز الدین القسام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے، ''طوفان الاقصیٰ'' معرکے کے عظیم قائد، بڑے رہنما یحییٰ السنوار (ابو ابراہیم) آخری سانس تک مزاحمت کرتے ہوئے، اپنے وطن اور سرزمین کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

عز الدین القسام رحمہ اللہ کے جائے شہادت جنین سے لے کر سنوار رحمہ اللہ کے جائے شہادت رفح شہر تک یہ مزاحمت کی ایک طویل جدوجہد ہے، اور ایک ایسی قوم کی داستان ہے جو اپنے عزم اور مزاحمت کے ذریعے اپنی مقدس سرزمین سے قبضے کو مکمل طور پر ختم کرنے تک لڑتی رہے گی۔

ایک ایسا شخص جو خان یونس کے پناہ گزین کیمپ سے نکلا، 7 اکتوبر کو طوفان کی قیادت کی، پھر ایک ڈرون طیارے کا سامنا ایک چھڑی کے ساتھ کیا، اور بالآخر رفح کے تل السلطان میں شہادت پا گیا۔

جلاوطنی میں جنم، طویل برسوں کی قید، اور حماس کی سیاسی و عسکری قیادت یہ سب ''ابو ابراہیم'' کی جدوجہد اور مزاحمت کے فلسفے کا خلاصہ ان الفاظ میں بتاتا ہے: آخری سانس تک ثابت قدمی، اور قومی سطح پہ ایسی یکجہتی جس پر کبھی کسی سے سمجھوتہ نہ ہو سکے۔

پناہ گزین کیمپ میں جنم

یحییٰ السنوار 19 اکتوبر 1962 کو خان یونس کے پناہ گزین کیمپ میں پیدا ہوئے، جب ان کے خاندان کو 1948 میں صہیونی قبضے کے بعد شہر المجدل سے جبراً نکالا گیا۔ یہی کیمپ ان کے قومی شعور کی پہلی درسگاہ بنا۔

انہوں نے خان یونس کے اسکولوں میں تعلیم حاصل کی، پھر غزہ کی اسلامیہ یونیورسٹی سے عربی زبان میں بی اے کیا۔ وہیں طلبہ تحریک کی قیادت سنبھالی، طلبہ یونین کے صدر بنے، اور اسلامی بلاک کی قیادت کی۔ وہ جلد ہی طلبہ سیاست میں ایک مضبوط نظریاتی قائد کے طور پر ابھرے۔

قید و بند کی زندگی

سنوار پہلی بار 1982 میں قید ہوئے، اور پھر 1988 میں دوبارہ گرفتار ہو کر چار بار عمر قید کی سزا پائی، جن میں سے 23 سال مسلسل جیل میں گزارے۔

جیل ان کے لیے ایک یونیورسٹی بن گئی، جہاں وہ حماس کے قیدیوں کی اعلیٰ قیادت کے سربراہ بنے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کئی بڑے بھوک ہڑتالیں کیں (1992، 1996، 2000، 2004)۔ عبرانی زبان سیکھی، اہم کتابوں کے ترجمے کیے، اور سیاست، سیکیورٹی اور ادب پر کئی تحریریں لکھیں، جن میں ان کا ناول ''الشوک والقرنفل'' (کانٹے اور گلاب) فلسطینی جدوجہد کو نیا روپ دیتا ہے۔

''مجد'' کا قیام

یحییٰ السنوار نے حماس کی جانب سے پہلا سیکیورٹی ادارہ قائم کرنے میں شرکت کی، اور 1986 میں ''مجد'' نامی سیکیورٹی یونٹ کی بنیاد رکھی، جو بعد میں حماس کے سیکیورٹی نظام کی بنیاد بنا۔

ان کی تحریریں اور نظریاتی مواد، جو انہوں نے قید کے دوران قلمبند کیا، حماس کی رہنمائی کے لیے ایک ریفرنس بن گئیں۔ اس نے ان کی شخصیت کو ایک سخت نظم و ضبط رکھنے والے قائد کے طور پر مستحکم کیا، جو مکمل فکری اور سیکیورٹی نظریات تشکیل دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

قیادت کی جانب پیش قدمی

2011 میں ''وفاء الاحرار'' کے نام سے کئے جانے والے قیدیوں کے تبادلے کے معاہدے میں رہائی کے بعد، وہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے اور ان کے تین بچے ہوئے۔ رہائی کے بعد انہوں نے حماس کی قیادت میں اہم سیکیورٹی اور عسکری ذمہ داریاں سنبھالیں، اور 2017 میں غزہ میں حماس کے سیاسی دفتر کے صدر منتخب ہوئے۔
انہوں نے قومی اور دیگر کئی حساس مسائل کے حل میں کامیابی حاصل کی، اور غزہ کی مشکلات کو کم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ساتھ ہی، فتح تحریک کے ساتھ مل کر قومی اتحاد کی بحالی اور تقسیم ختم کرنے کے لیے عملی کوششیں کیں، جن کی بنیاد مزاحمتی پروگرام پر تھی۔

سنوار نے مزاحمت کی مختلف صورتوں کو یکجا کیا:

2017 سے پُرامن عوامی مزاحمت کے طور پر ''اپنے مقبوضہ گھروں کی طرف واپسی کا حق'' کے نام سے مارچ کی قیادت کی، اور بارہا قابض دشمن کے خلاف عسکری محاذوں پر لڑائیاں لڑیں، جن میں 2021 کی ''سیف القدس'' جنگ خاص طور پر نمایاں ہے، جس نے اسرائیلی پالیسی کو چیلنج کیا۔ اسی طرح، انہوں نے فلسطینی قیدیوں کی رہائی کو ایک قومی اور اخلاقی فریضہ سمجھ کر اپنی قیادت کا اہم ہدف بنایا۔

یحییٰ السنوار رحمہ اللہ کی تقریریں اور مزاحمت سے لبریز سوچ و فکر:

یحییٰ السنوار نے اپنی تقاریر اور انٹرویوز میں ایک ایسا وژن پیش کیا جو دنیا کو طاقت کے توازن سے دیکھتا ہے۔ ان کے نزدیک مزاحمت کوئی وقتی حکمت عملی نہیں بلکہ اپنی وجود کے بقاء کا واحد راستہ ہے۔ ان کا یقین تھا کہ فلسطینی قوم کبھی خاموش مقتول نہیں بنے گی۔ وہ ہتھیار ہی کے ذریعے دشمن کو اپنے پالیسی پر نظر ثانی کرنے پہ مجبور کرنے کی بات کرتے تھے، لیکن ہتھیار ساتھ ہی ساتھ وہ میڈیا کوریج اور قومی شعور کو بھی ایک ایسا ہتھیار سمجھتے تھے جو پہلے ہتھیار جتنا ہی مؤثر ہے۔
یہ گہری فکر اور بہترین تنظیمی صلاحیت کا امتزاج ان کی جدوجہد کو محض ایک عملی اقدام نہیں بلکہ ایک زندہ و جاوید نظریہ بنا دیتا ہے، ایک ایسا نظریہ جو فلسطین کی تاریخ آزادی میں ایک نئے دور کا آغاز کرتا ہے۔

طوفان الاقصیٰ

7 اکتوبر 2023 کو، یحییٰ السنوار ''طوفان الاقصیٰ'' آپریشن کے بڑے معماروں میں سے ایک کے طور پر سامنے آئے۔ یہ آپریشن دہائیوں میں فلسطین کی جانب سے اسرائیلی قبضے کے خلاف سب سے بڑا، سب سے جری اور سب سے مؤثر عسکری حملہ سمجھا گیا۔
اس دن نے جدوجہد کی تاریخ میں ایک نیا باب رقم کیا۔ اس کے بعد، ابو ابراہیم فلسطینی اور عالمی شعور میں ایک ایسے رہنما کے طور پر ابھرے جو محاصرے کے سائے سے نکل کر اسرائیلی سیکیورٹی کے تمام توازنات کو اُلٹنے میں کامیاب ہو گیا۔
اسماعیل ہنیہ رحمہ اللہ کے جولائی 2024 میں شہادت کے بعد، یحییٰ السنوار کو حماس کا قائد منتخب کیا گیا۔ اس طرح وہ صرف غزہ کی قیادت سے پوری تحریک کی قیادت کی طرف منتقل ہو گئے، یہ اقدام قابض قوتوں کے لیے ایک چیلنج تھا اور اس بات کی تصدیق کہ درحقیقت سنوار رحمہ اللہ ہی اس مرحلے کے قائد ہیں، جن میں قید، تنظیم، سیاست اور میدان، سب کا تجربہ موجود ہے۔

قابل رشک شہادت

پھر 16 اکتوبر 2024 کو وہ خبر آئی جس نے جنگ کے مہینوں کے دوران قابض قوتوں کی وہ ساری جھوٹی پروپیگنڈہ مہم پلانی پھیر دیا، جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ قائدین سرنگوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ اسرائیلی فوج اس وقت حیران رہ گئی جب ان کے سپاہی ابو ابراہیم سے مسلح جھڑپ میں مصروف تھے اور وہ اسی جھڑپ میں شہید ہو گئے، ان کا پاکیزہ خون رفح کی تل السلطان کی سرزمین کو رنگین کر گیا۔
لاکھوں لوگوں کے ذہنوں میں وہ منظر نقش ہو گیا جو صہیونی فوج نے ڈرون کیمرے سے نشر کیا: ایک زخمی مجاہد، جو ایک ڈرون کا سامنا ایک چھڑی کے ساتھ کر رہا تھا۔ چہرہ فلسطینی رومال کفیہ سے ڈھکا ہوا، تھکاوٹ کے باوجود ثابت قدم، اور جب ڈرون قریب آیا تو اس نے اپنی چھڑی سے اسے مارنے کی کوشش کی، ایک لمحہ جو اس فلسفے کو نئی روح دے کر گیا:

''آخری سانس تک مزاحمت۔''

جلد ہی یہ منظر ایک عالمی علامت بن گیا، اور صہیونی میڈیا کو بھی اس جرات مندانہ موقف کا اعتراف کرنا پڑا۔ کچھ نے لکھا: ''ایسے مرتے ہیں ہیرو''، اور دوسروں نے انہیں ''زندہ مزاحمت کی ایک علامت'' قرار دیا۔
جہاں قابض قوتوں نے یحییٰ السنوار کی شہادت کو مزاحمت کی جدوجہد کے خاتمے کا آغاز دکھانا چاہا، وہاں ان کی شہادت نے طوفان کو مزید ایندھن فراہم کر دیا، اور ان کا آخری منظر صرف ایک چھڑی کے ساتھ ایک ڈرون کا سامنا کرتا ہوا شخص انہیں طوفان کے کمانڈر اور ناممکن کے سامنے ڈٹ جانے والی علامت میں بدل گیا۔
یحییٰ السنوار ایک ایسا قائد جو نہ جھکتا ہے، نہ بکتا ہے اور نہ سمجھوتہ کرتا ہے۔ انہوں نے فکر اور ہتھیار، قید و میدان، طوفان اور چھڑی سب کو یکجا کر کے قیادت کی ایک نئی مثال قائم کی۔
فلسطین کی تاریخ میں، ان کا نام ہمیشہ تین الفاظ سے جُڑا رہے گا:
کیمپ (پناہ گزین کیمپ) طوفان، چھڑی

براہ راست رپورٹ: ثامر بل

مروان البرغوثی: فلسطینی جدوجہد کی علامت اور قومی وحدت کا استعارہ

مروان البرغوثی، جنہیں ''ابوالقسام'' کے نام سے جانا جاتا ہے، عصرِ حاضر کی فلسطینی تاریخ کی نمایاں ترین قیادتوں میں سے ایک ہیں۔ 6 جون 1959 کو رام اللہ والبیرہ کی تحصیل کوبر میں ایک محبِ وطن خاندان میں پیدا ہوئے، جو اسرائیلی قبضے کے جبر و استبداد کا سامنا کر رہا تھا۔ اُنہیں ان کی استقامت اور غیر معمولی صبر کے باعث ''فلسطین کا نیلسن منڈیلا'' کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ اب تک 23 برس سے زائد اسرائیلی جیلوں میں قیدِ تنہائی کاٹ چکے ہیں (تاریخ 27 اکتوبر 2025)۔

بطورِ رہنما تحریکِ فتح کے اور فلسطینی قانون ساز کونسل کے رکن کے طور پر، البرغوثی نے قومی تحریک میں وحدت، جمہوریت اور مزاحمت کی آواز کو زندہ رکھا۔ ان کی غیر معمولی مقبولیت انہیں فلسطینی صدارت کے لیے ایک مضبوط امیدوار بناتی ہے، اگرچہ وہ اب بھی قید ہیں، اور اُن کی رہائی اسرائیل و حماس کے درمیان ممکنہ تبادلہ معاہدوں میں ایک حساس سیاسی موضوع بنی ہوئی ہے۔

ابتدائی زندگی اور تعلیم

مروان البرغوثی نے ایک سادہ مگر بیدار دل فلسطینی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ بچپن ہی سے اُن میں جدوجہد اور آزادی کی جستجو نمایاں تھی۔ 17 سال کی عمر میں پہلی مرتبہ اسرائیلی افواج نے اُنہیں احتجاجی مظاہروں میں شرکت کے الزام میں گرفتار کیا۔ قید کے دوران انہوں نے عبرانی، انگریزی اور فرانسیسی زبانیں سیکھیں اور مطالعے کا ذوق بڑھایا۔

آزادی کے بعد انہوں نے جامعہ بیرزیت سے تاریخ و سیاسیات میں بیچلرز کی ڈگری حاصل کی، پھر ایم اے برائے بین الاقوامی تعلقات کیا۔ بعد ازاں جامعہ القدس (ابو دیس) میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔

2002 میں گرفتاری کے بعد، انہوں نے جیل میں رہتے ہوئے ''المعہد العربی للبحوث والدراسات۔ جامعة الدول العربیة'' سے سیاسیات میں پی ایچ ڈی مکمل کی۔ ان کا تحقیقی عنوان تھا: ''المجلس التشریعی الفلسطینی ودورہ فی العملیة الدیمقراطیة من 1996 إلی 2006''، جس کی تکمیل اور خفیہ ترسیل میں ایک سال لگا۔

ان کی مشہور تصنیف ''ألف یوم فی زنزانة العزل الانفرادی'' (تنہائی کی کوٹھری میں ایک ہزار دن) فلسطینی اسیران کی جدوجہد اور اذیتوں کا تاریخی بیان ہے۔

سیاسی و تنظیمی جدوجہد

مروان البرغوثی نے پندرہ برس کی عمر میں تحریکِ فتح میں شمولیت اختیار کی۔ جامعہ بیرزیت میں وہ تین برس تک طلبہ کونسل کے صدر رہے اور 1980 کی دہائی میں ''فتح الشباب'' (الشبیبۃ الفتحاویۃ) کے بانیوں میں شامل ہوئے جو مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں سب سے بڑی عوامی تنظیم بن کر ابھری اور 1987 کی پہلی انتفاضہ کی فکری بنیاد بنی۔

1989 میں وہ تحریکِ فتح کی انقلابی کونسل کے کم عمر ترین رکن منتخب ہوئے۔

اوسلو معاہدے (1994) کے بعد وہ اردن سے وطن واپس آئے اور شہید فیصل الحسینی کے نائب اور فتح کے سیکریٹری برائے مغربی کنارے مقرر ہوئے۔ انہوں نے ایک ماہ میں تحریک کو ازسرِ نو منظم کیا، 150 سے زائد کانفرنسیں منعقد کیں اور جمہوری عمل کے فروغ کے لیے نئے رہنماؤں کا انتخاب کرایا۔

1996 کے انتخابات میں وہ رام اللہ سے قانون ساز کونسل کے رکن منتخب ہوئے اور بدعنوانی کے خلاف تحقیقاتی کمیٹی میں سرگرم کردار ادا کیا۔ وہ فلسطینی۔فرانسیسی پارلیمانی دوستی کمیٹی کے بانی بھی تھے۔

2002 میں گرفتاری کے باوجود، انہوں نے قید میں رہتے ہوئے ''وثیقۃ الوفاق الوطنی'' (قومی مفاہمتی دستاویز) مرتب کی، جس نے فلسطینی اتحاد کے لیے راہ ہموار کی اور بعد میں 2006 کے ''اتفاقِ قاہرہ'' کی بنیاد بنی۔

انتفاضات میں کردار

البرغوثی نے پہلی انتفاضہ (1987) میں فیصلہ کن کردار ادا کیا اور ابو جہاد کے ساتھ مل کر تنظیمی ڈھانچے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ دوسری انتفاضہ (انتفاضۃ الاقصیٰ 2000) میں وہ مغربی کنارے میں فتح کے سیکریٹری جنرل تھے، اور اسرائیل نے اُن پر ''کتائب شہداء الاقصیٰ'' کی تشکیل کا الزام عائد کیا۔

انہوں نے الزامات کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ اُن کی جدوجہد مکمل طور پر فلسطینی عوام کے جائز حقِ مزاحمت کا حصہ ہے۔

گرفتاریاں، مقدمات اور قید

البرغوثی کو متعدد بار گرفتار کیا گیا:

1976، 1978، 1983 اور 1985 میں مختلف ادوار میں، اور 1987 میں اسرائیل نے انہیں ملک بدر کر کے اردن بھیج دیا۔

15 اپریل 2002 کو رام اللہ سے گرفتار کیے جانے کے بعد اُن پر اسرائیلی عدالت نے 2004 میں پانچ عمر قیدوں اور 40 سال اضافی سزا کا فیصلہ سنایا۔

انہوں نے عدالت کے سامنے کہا:

''یہ فیصلہ ایک سیاسی جرم ہے، میں اپنے عوام کی آزادی کے لیے ہر قیمت چکانے کو تیار ہوں۔''

بین الاقوامی پارلیمانی یونین کی رپورٹ میں ان کے خلاف کارروائی کو بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی قرار دیا گیا۔ اسرائیلی قیادت انہیں ''انتفاضہ کے دماغ'' کے طور پر دیکھتی ہے۔

موجودہ صورتِ حال اور عوامی مقام

اکتوبر 2025 تک مروان البرغوثی اسرائیلی جیلوں میں اپنے قید کے 23 ویں سال میں داخل ہو چکے ہیں۔ اگست 2025 میں اسرائیلی وزیر ایتمار بن غفیر کی جانب سے ان کی کوٹھری پر چھاپے کے بعد ان کی صحت و سلامتی پر خدشات بڑھ گئے۔

ان کا نام ممکنہ قیدیوں کے تبادلے کی فہرست میں شامل ہوتا رہا ہے، مگر اسرائیل اُن کی رہائی کو اپنی سلامتی کے لیے خطرہ قرار دیتا ہے۔

دسمبر 2023 کے فلسطینی عوامی سروے کے مطابق، وہ ''سب سے زیادہ مقبول فلسطینی رہنما'' قرار پائے۔

ان کی اہلیہ فدویٰ البرغوثی، جو ایک معروف وکیل اور خواتین کارکن ہیں، بین الاقوامی سطح پر اُن کے پیغام کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ ان کے چار بچے ہیں: قسام، ربی، شرف، اور عرب۔

مروان البرغوثی محض ایک قیدی نہیں، بلکہ فلسطینی عزم و حریت کی مجسم علامت ہیں۔ ان کی زندگی قربانی، نظریے اور استقلال کی ایک تاریخ ہے۔ اُن کی رہائی فلسطینی جمہوریت اور قومی وحدت کے سفر میں ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہو سکتی ہے۔

جیسا کہ انہوں نے اپنی آخری سماعت میں کہا تھا:

''میں اپنے عوام کی آزادی کے لیے لڑتا رہوں گا، چاہے جیل کی دیواروں کے پیچھے ہوں یا آزادی کی فضا میں۔''

برغوثی آج بھی مزاحمت کا وہ چراغ ہیں جو اندھیروں میں بھی امید کی روشنی بکھیرتا ہے۔

دامن خیال: مرزا محمد الیاس

مغربی کنارہ: سموٹریش کی علانیہ فاشزم کے آگے بے بس

سکون اور امن دو ایسی قدریں ہیں، مغربی کنارے کے فلسطینی، خواہ وہ شہروں میں ہوں یا دیہی علاقوں میں ہوں، یہ ان کے لیے کسی سہانے خواب سے کم نہیں ہیں۔ یہ خواب اتنی بار ٹوٹے ہیں کہ آنکھیں زندگی کی راہ تکتے تھم جاتی ہیں لیکن ؎

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں

کے مصداق انہیں خبر ملتی ہے کہ کسی کی دکان لوٹ لی گئی، کسی کا گھر بلڈوز کر دیا گیا، دس بارہ گھروں کے بلاک کے چاروں طرف خاردار تار یا لوہے کا جال لگا کر باقی دنیا سے رابطہ کاٹ دیا گیا۔ ایک محلے میں کھڑی گاڑیاں بلاوجہ اور بلا اشتعال جلا دی گئیں۔ ساتھ والے کھیت میں مویشی گھس آئے اور ان کے ساتھ آنے والوں نے فصل ہی جلا ڈالی۔ یہ سارے تخریبی کام نام نہاد آباد کار (Settlers) یہودی کرتے ہیں۔ ان تمام تر کارروائیوں کے ذمہ دار صہیونی حکومت کے وزیر خزانہ اور مغربی کنارے کے سیکیورٹی امور کے انچارج بزازیل سموٹریش ہیں۔ ان پر تشدد واقعات میں شریک ہونے والوں میں زیادہ تر:

۱) صہیونی فوج ۲) صہیونی پولیس ۳) شین بیت ایجنٹس ۴) یہودی آباد کار ۵) صہیونی میڈیا

شامل ہوتے ہیں۔ کسی بھی کارروائی کا آغاز آباد کار یہودی (Settlers) کرتے ہیں۔ ان کے اردگرد شین بیت کے ایجنٹس ہوتے ہیں۔ معاملہ بڑھنے لگے اور مقامی فلسطینی مزاحمت یا احتجاج کا راستہ اختیار کریں تو پولیس سامنے آتی ہے۔ صہیونی میڈیا اپنے انداز میں خبر دیتا ہے، بات زیادہ بڑھ جائے تو فوج مداخلت کرتی ہے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ مقامی فلسطینی گرفتار کر لیے جاتے ہیں اور سزا کے طور پر ان کے گھر مسمار کر دیے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک گاؤں میں زیادہ تر رہائشی مسیحی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی تعداد 1300 نفوس سے کچھ زیادہ تھی۔ ان پر خوف اور دہشت مسلط کر دیے گئے۔ اکتوبر زیتون کے تیار ہونے اور پیداوار دینے کا مہینہ ہوتا ہے۔ اس گاؤں کے افراد کو کہا گیا کہ ان میں سے جو کوئی بھی زیتون کا پھل توڑنے اپنے باغ جائے گا، اس پر آباد کار یہودی حملہ کر دیں گے۔ ذمہ داری پھل توڑنے کے لیے آنے والوں پر ہی آئے گی۔

انہیں نوٹس دیا گیا کہ تمام آبادی گاؤں کے داخلی راستے پر جمع ہو گی۔ اسرائیل کی فوج گاؤں میں داخل ہو گی اور ہر گھر کی تلاشی لی جائے گی۔ ان میں 64 سال

کے بدو یوسف موسیٰ بھی تھے۔ انہوں نے میڈیا کے نمائندوں کو بتایا کہ دو ہفتے پہلے آبادکار ملیشیا ان کے ٹینٹ میں داخل ہوئی جب وہ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ آرام کررہے تھے۔ رات کا کوئی پہر تھا۔

آبادکاروں نے اس کے گھر کو تہس نہس کردیا۔ ہر شے اُلٹ پلٹ دی گئی۔ ہمارے گھر سے تقریباً دس ہزار ڈالر مالیت کی اشیاء تباہ کردی گئیں یا لوٹ لی گئیں۔ بدو لوگ گھر میں دینار کی صورت میں نقدی رکھتے ہیں۔ یہ نقدی وہ لائیوسٹاک کی پرورش اور پھر پیداوار سے حاصل کرتے ہیں۔ یہ ان کی پورے سیزن کی جمع پونجی ہوتی ہے۔ اسے وہ خوراک، مستقبل کی لائیوسٹاک اور دیگر اخراجات کے لیے رکھتے ہیں۔

قیصر موسیٰ نے بتایا کہ وہ ساری نقد جمع پونچی لے گئے۔ ان کی بہو کے زیورات لے اڑے۔ لائیوسٹاک میں سے 85 بکریاں اور بکرے لے گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ میرا کل سرمایہ یہی کچھ تھا۔

فوج نے گاؤں Taybbeh کے راستے پر گیٹ لگا کر پولیس کو انچارج بنادیا۔ قیصر کا کہنا تھا کہ وہ اس واقعہ میں زخمی ہوئے۔ ایمبولینس بلائی گئی لیکن فوج نے اسے واپس کردیا۔ گیٹ لگا کر اندر اور باہر جانے والے راستے مسدود کردیے۔ صرف ان بدوؤں کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہورہا۔ مغربی کنارے کے لاکھوں فلسطینی اسی کرب سے گزر رہے ہیں۔ مسلح گروہ انہیں ان کے آبائی علاقوں سے بے گھر اور بے دخل کرنے کے لیے کسی وقت بھی حملہ کردیتے ہیں۔ یہ بھی ایک طرح کا نکبہ ہے جو کبھی ایک گھر سے فلسطینیوں کو نکال باہر کرتا ہے یا پورے گاؤں کو رہائش اور فصل و کاروبار کے لیے اذیت میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔ جولائی کی ایک اتوار کو یہودی آباد صہیونی فوج کی حفاظت اور نگرانی میں مغربی کنارے کے گاؤں پر حملہ آور ہوئے۔ وہاں کسان زیتون کی پیداوار حاصل کرنے کے لیے تیار ہورہے تھے۔ ایسا منظر مغربی کنارے کے اس حصے میں ہورہا تھا جہاں زیتون کے پھل حاصل ہونے والے تھے۔ یہی وہ ذریعۂ آمدن ہے جس کے لیے فلسطینی پورے سیزن تیاری، دیکھ بھال اور حفاظت کرتے ہیں۔

رام اللہ کے شمال مغرب کے گاؤں طرمس آیا (Turmus Ayya) میں یہودی آبادکاروں نے حملہ کیا۔ فلسطینیوں نے زیتون کے پھل حاصل کرنے کی غرض سے بین الاقوامی مبصرین کو بھی دعوت دے رکھی تھی۔ اس موقع پر لی گئی فوٹیج میں صاف دکھائی دے رہا تھا کہ نقاب پوش گروہ نے ایک بوڑھی خاتون پر حملہ کیا۔ اس خاتون کے ساتھ ایک غیرملکی رضاکار بھی تھا۔ دونوں کو بہت مارا پیٹا گیا۔ اس گھر کی گاڑیوں کو جلا دیا گیا۔ جس قدر زیتون کا پھل موجود تھا، وہ لُوٹ لیا گیا۔

نابلس، رام اللہ اور بیت لحم کے متعدد دیہات میں اسی طرح کے مسلح حملے کیے گئے۔ حملہ کرنے والے ملیشیا کو اسرائیل کی ریاستی نگرانی حاصل تھی۔ انہیں فوج نے مسلح کرکے گینگ کی شکل دی تھی۔ ان کی اکثریت نے فوجی یونیفارم بھی پہن رکھی تھی۔ کسی بھی سول فرد کے لیے فوجی یونیفارم پہننا جرم ہوتا ہے۔ یہ لوگ فلسطینیوں کو کم درجے کا انسان بھی نہیں سمجھتے۔ ان میں مرنے مارنے والوں کو شامل رکھنا سٹیٹ پالیسی سمجھی جاتی ہے۔ کوئی اس سے انکار بھی نہیں کرتا اور نہ ہی قابض سٹیٹ اعتراض کرتی ہے۔

ان تمام ہتھکنڈوں، اقدامات اور مظالم کا ایک ہی مقصد ہے کہ ہر فلسطینی کو زمین سے ہٹا دیا جائے، پھر نہ رہے گا بانس، نہ بجے گی بانسری۔ اس کے لیے آبادکار (Settler) یہودیوں کے مسلح گروہ اور جتھے بنائے جاتے ہیں۔ پولیس اور فوج ان سے فلسطینیوں کی جائیدادوں، مراکز کاروبار، مقاماتِ عبادت اور بچوں کے سکولوں پر حملے کراتی ہیں۔ ان گروہوں کو سکولوں کے، گھروں کے باہر بٹھا دیا جاتا ہے۔ سکول سے واپسی پر بچوں کو زبردستی روک لیا جاتا ہے تاکہ ان کے والدین تشویش میں مبتلا ہوں، جب وہ ان کی تلاش میں آئیں تو ان پر مختلف حیلے بہانوں اور تکرار کے بعد تشدد کیا جائے۔

دوسرا کام ان گروہوں سے یہ لیا جاتا ہے کہ یہ فلسطینیوں کو پیغام دیتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے زیتون کے باغ تیار ہیں۔ خبردار! ان سے پھل حاصل کرنے یا باغ کوئی کاشت اور تیاری کے کاموں کے لیے آنے کی جرأت نہ کرنا۔ اب وہ باغ ہمارے ہیں۔

طرمس آیا میں بھی یہی کچھ جولائی میں ہوا۔ یہ رام اللہ کے شمال مغرب کا گاؤں یا قصبہ ہے۔ آبادکار یہودیوں نے گروہ بنا کر فلسطینی کسانوں پر ہر اس وقت حملہ کیا جب بین الاقوامی رضاکار فلسطینیوں کو فصل کاٹنے میں مدد دینے آئے ہوئے تھے۔ اس حملے کی ویڈیوز بھی ریکارڈ ہوئیں۔ ان میں آسانی سے دیکھا جاسکتا تھا کہ نقاب پوش حملہ کررہے تھے۔ انہوں نے ایک بوڑھی خاتون کو بھی معاف نہ کیا، ایک غیرملکی رضاکار کو ڈنڈوں سے مار مار کر زخمی کردیا۔ گاڑیوں کو آگ لگادی۔ جاتے ہوئے ساری فصل اٹھا کے لے گئے۔

نابلس اور اس کے قرب و جوار میں بھی اسی نوعیت کے واقعات رپورٹ ہوئے۔ رام اللہ

میں امن کے لیے کام کرنے والے جمال جمعہ نے حملہ آوروں کو ''فاشسٹ ملیشیا'' قرار دیا۔

یہ گروہ جس نوعیت کی غلیظ زبان استعمال کرتے ہیں، اسے بیان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس ملیشیا کو اسرائیل کی حکومت فنڈز دیتی ہے، انہیں مسلح کرتی ہے، انہیں تحفظ فراہم کرتی ہے۔ بزازیل سموٹریش اس سارے عمل کی ریاستی سرپرستی کرتے ہیں۔ یہ گروہ نسلی منافرت کے علمبردار ہوتے ہیں۔ ہر فلسطینی کو انسان سے کم تر مخلوق کہتے ہیں۔ نیتن یاہو بھی یہی کہہ کہ غزہ پر حملے کراتا ہے کہ وہ انسانوں کو نہیں، حیوان نما مخلوق کا خاتمہ کر رہا ہے۔

بزازیل سموٹریش ان سب کا سرپرست ہے۔ ان حالیہ حملوں کا محرک اور منصوبہ ساز ہے۔ وہ خود کو ایک فاشسٹ قرار دیتا ہے۔ بزازیل خود بھی ایک آبادکار یہودی یعنی سیٹلر ہے۔ نیتن یاہو کابینہ میں نہایت اہم وزارت خزانہ چلاتا ہے۔ وہ انتہائی دائیں بازو کا مذہبی لیڈر ہی نہیں ان کی صہیونی پارٹی کا سربراہ ہے۔ وہ وزارت دفاع کا بھی اصل مالک ہے۔ اس کے احکامات نسل کشی کرتے رہے ہیں۔

سموٹریش کے پاس ایک اور ٹوپی ہے۔ وہ مغربی کنارے میں نئی بستیوں میں یہودی آبادکاروں کو بساتا ہے۔ اس طرح وہ مغربی کنارے کا ڈی فیکٹو (de fecto) گورنر بھی ہے۔ جب وہ مغربی کنارے کے کسی خطے پر قبضہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے، وہ فلسطینیوں سے شدید نسلی دشمنی کو استعمال کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے اقدامات میں رحم نام کو نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ جب فلسطینی کسانوں کے خلاف شمال مغربی کنارے میں اقدامات کر رہا تھا، جولائی، اگست کے مہینے تھے۔ اقربا، برقا، الزاویہ اور پیتا کے علاقوں پر حملے کیے گئے۔ حملہ آور آبادکار یہودیوں کو کھلی چھوٹ دی گئی۔ اگر کسی فلسطینی نے پولیس کو شکایت کر بھی دی اور کہا کہ اس کی مدد کی جائے تو پولیس نے چپ سادھ لی۔ اگر فلسطینی اکٹھے ہوئے تو صہیونی قابض فوج نے ان کو ہی زدوکوب کیا۔

ان تمام کارروائیوں، ناانصافیوں اور مظالم کا ایک ہی مقصد ہے۔ وہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ فلسطینی آبادیوں کو اکھاڑ دیا جائے، وہاں آباد فلسطینیوں کو جگہ جگہ بھٹکنے پر مجبور کر دیا جائے۔ یہ فلسطینی ان آبادیوں میں سال دو سال سے نہیں، بل کہ نسل در نسل یہیں آباد چلے آ رہے ہیں۔ یہ وہی طریقہ ہے جس پر فلسطین میں باہر سے یہودیوں کو لا کر اور نکبہ کے ذریعہ ان کی لاکھوں کی آبادی کو قوت کے بے دریغ استعمال سے منتشر کر کے اسرائیل بنایا گیا تھا۔ اب مغربی کنارے کو میں ضم کرنے کے لیے یہی طریقہ استعمال کیا جارہا ہے۔ یہاں آنے والے یا لائے جانے والے آبادکار یہودی صہیونی نوآبادیات قائم کر رہے ہیں۔

سموٹریش کا حتمی طور پر مغربی کنارے میں منصوبہ ہے کہ اس سارے خطے کو جتنی جلد ہو سکے، جودیہ اور سماریہ دو الگ الگ حصوں میں تبدیل کیا جائے۔ امریکی سینیٹ میں یہ قرارداد کے طور پر منصوبہ پیش کیا جاچکا ہے۔ اس قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ امریکہ اپنی دستاویز میں مغربی کنارے یا غرب اردن کو اپنی سرکاری دستاویز میں جودیہ اور سماریہ کے ناموں سے لکھے اور پکارے۔

سموٹریش فلسطینیوں کو ان کے آبائی گھروں، زمین، کاروبار سے نکال کر بالکل جدا جدا جزیرہ نما مقامات میں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو یہ دو ریاستی حل کو ناکام بنا دے گا۔ فلسطینی ریاست کو بننے نہیں دیا جائے گا۔ پھر دو ریاستی حل کے طور پر فلسطینی ریاست کی وکالت یا حمایت کرنے والوں کے لیے کہیں زمین ہی نہیں رہے گی۔

یہ سب اسرائیل کا طے شدہ منصوبہ ہے۔ اس کے لیے مغربی کنارے کے علاقے ای ون (E1) میں کام کی ریاستی سطح پر منظوری دی جاچکی ہے، اس منصوبے کے تحت اس خطے میں یہودی آبادکاروں (Settlers) کے لیے 3000 رہائشی یونٹس کی تعمیر کی بھی منظوری اگست یعنی اسی سال دی گئی ہے۔ اس پر عمل درآمد سے مغربی کنارے کو مقبوضہ بیت المقدس (مقبوضہ یروشلم) سے کاٹ دیا جائے گا۔

چنانچہ فلسطینی ریاست کسی بھی صورت میں ہونے والے مذاکرات کی میز سے غائب ہو جائے گی۔ ای ون میں بننے والا رہائشی یونٹ، کیل کا کام کرتا رہے گا۔ اسی چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے امریکی حکام کے یہاں کے دورے اینٹ کا کام کر چکے ہیں۔ امریکی سفیر مائیک حکابی یہاں کے گاؤں طیبہ (Taybeh) کا جولائی میں دورہ کر چکے ہیں۔ اے ایف پی نے اسے رپورٹ بھی کیا۔ انہوں نے یہاں کا دورہ دوبار کیا ہے۔ دوسرا دورہ اس وقت کیا جب یہودی آبادکاروں نے اس گاؤں میں زبردستی داخل ہونے کی کوشش کی۔ انہوں نے فلسطینیوں کو یرغمال بنایا اور ان کی رہائی کے بدلے تاوان کا مطالبہ کر دیا۔

اسی صورت حال اور اس جیسے حالات کے دیگر مقامات پر رونما ہونے سے سموٹریش کو اپنے ہدف کے حصول میں کامیابی نہیں مل سکی۔ لیکن سارے مغربی کنارے کو اسرائیل میں ضم کرنے کے لیے کام مسلسل جاری ہے۔ اکانومسٹ نے اسرائیل کے ان اقدامات کی حمایت میں رپورٹس شائع کی ہیں۔ یہ میگزین صہیونیت اور اس کے عزائم کی ترجمانی کا کام

بڑے عرصے سے کرتا آرہا ہے۔ اس کی تازہ اشاعت میں رپورٹ کا عنوان تھا:

"In Reality, annexation has already happened"

طیبہ میں رہنے والے ہر فلسطینی کو اچھی طرح سے علم ہے کہ کیا ہو رہا ہے، کیا ہونے جا رہا ہے اور سموٹریش کے ارادے کیا ہیں۔ یہاں کے کسان، لائیو سٹاک کے لوگ اور مقامی بدو قبائل کو ان کی زمینوں سے نکال باہر کیا جا چکا ہے۔ انہیں زیادہ تر وادیٔ اردن میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ بہت سے فلسطینی اور بدو قبائل کو جیریکو کی جانب دھکیل دیا گیا ہے۔ یہ ساری کارروائی دنیا کی نگاہوں سے دو سال کی غزہ جنگ کی وجہ سے اوجھل رہی ہے۔ کہیں سے احتجاج کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ عرب ممالک اس سے بالکل غیر متعلق ہیں۔ ان کے خیال میں حماس کو سبق سکھانے کا یہ بہترین موقع اور طریقہ ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ طیبہ گاؤں مسلم فلسطینیوں کا اقلیتی جب کہ مسیحی مذہب والوں کی اکثریت کا علاقہ ہے۔ اسی لیے امریکی سفیر مائیک حکابی دو بار یہاں کا دورہ کر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے بیان میں اسرائیل سے مطالبہ کیا کہ ''جو یہاں دہشت گردی کر رہے ہیں، انہیں تلاش کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔'' ایک بیان میں انہوں نے وعدہ کیا کہ ''میں ان افراد سے یکجہتی کا اظہار کرتا ہوں جو یہاں امن سے رہنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنی زمینوں کی طرف بلاخوف جائیں اور اپنے گرجا گھر پھر سے آباد کریں۔ یہ مسیحی برادری ہماری برادری ہے۔ اس کا احترام ہمارے لیے لازم ہے۔ ان سے ادب و احترام کا سلوک کیا جائے۔''

طیبہ گاؤں کے دورے پر امریکی سینیٹر کرس مان ہولن اور جیف مارکلے بھی آئے۔ جرمنی کے وزیر خارجہ جوہان ویڈفل (Johann Wedephul) نے بھی یہاں کا دورہ کیا۔

امریکہ اور جرمنی کے ان دوروں کے بعد بھی تشدد پوری طرح سے جاری ہے۔ اب یہودی آبادکاروں کے حملے دیگر دور افتادہ دیہات تک پھیل گئے ہیں۔ وہ بہت آزادی سے جس گاؤں کو تاراج کرنا چاہیں، وہ کسی رکاوٹ کے بغیر آسانی سے اپنا کام کر جاتے ہیں۔ جب ان کا حملہ ہوتا ہے تو فلسطینی لوگوں اور حملہ آوروں کے درمیان فوج ہر وقت موجود رہتی ہے۔ وہ ان حملوں کو روکتی نہیں بل کہ مزاحمت کرنے والے فلسطینیوں پر تشدد کرتی ہے۔ یہی سب کچھ بیت لحم میں ہونے والے واقعات کی طرح ہی ہے۔ اسے انسانی حقوق کا گروپ (Balasan) اسرائیلی حکومت کی منظور کردہ پالیسی قرار دیتا ہے۔ اس گروپ نے ان واقعات پر اپنی رپورٹ میں کہا ہے:

''بین الاقوامی قانون اس نوعیت کے واقعات کی ہر طرح سے ممانعت کرتا ہے۔ اس قانون کی خلاف ورزی جنگی جرم ہے۔ بین الاقوامی قانون اسرائیل کا سٹیٹس اس خطے کا مالک کا نہیں بل کہ قابض فوج قرار دیتا ہے۔ یہ خطہ مقبوضہ علاقہ ہے۔ اس میں کسی رد و بدل سے قانون پامال ہوتا ہے۔ یہاں کی آبادی کا تحفظ اور خوشحالی اسرائیل پر لازم ہے۔

اسرائیل کا حقوق انسانی کا گروپ B'Tselem نے اپنی رپورٹس میں لکھا ہے کہ اسرائیل کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ فلسطینی آبادی کو یہاں سے اکھاڑ رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جتنی جلد وہ زیادہ سے زیادہ زمین ہتھیا لے، فلسطینی ریاست اتنی ہی ناممکن بنا دی جائے گی۔ اس کی رپورٹ کہتی ہے:

''ان علاقوں میں یہودی آبادکاروں نے تشدد اور دہشت طاری کر رکھی ہے۔ اس کی شدت میں مسلسل سنگین اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔''

رپورٹ مزید بتاتی ہے کہ:

''خوف اور دہشت کے اس ماحول میں خطرناک حملے ہوئے ہیں، فلسطینی شدید زخمی کر دیے جاتے ہیں۔ بعض تو جان سے بھی محروم کر دیے جاتے ہیں۔ آبادیوں میں یہ حملہ آور یہودی کسی کے گھر میں کسی بھی وقت داخل ہو جاتے ہیں، ان سے مختلف نوعیت کے تاوان طلب کرتے ہیں۔ چرواہوں کو ان زمینوں سے محروم کر دیتے ہیں۔ جہاں وہ اپنے مویشی چرانے کے لیے لے جاتے ہیں۔ کسانوں کو ان کی فصلوں سے نکال باہر کرتے ہیں۔ مویشی مار دیے یا چوری کر لیے جاتے ہیں، فصلیں تباہ کر دیتے ہیں۔ گھروں سے قیمتی سامان، زراعت کے آلات اور ملکیتی اموال لوٹ لیتے ہیں۔ ان کے گھروں، فصلوں کی جانب جانے والی سڑکیں بلاک کر دی جاتی ہیں۔''

گزشتہ دو سال سے پورے مغربی کنارے میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ یہاں رونما ہونے والے واقعات کا کوئی نوٹس عالمی برادری یا مسلم دنیا نہیں لیتی۔ یہاں کی رپورٹیں بھی برائے نام پریس میں آتی ہیں۔ ان کی تردید کرنے کے لیے اسرائیلی حکومت لمبے چوڑے پریس نوٹ جاری کرتی ہے۔

صورت حال: عمر الشتوی

غزہ: سب پامالیاں اسرائیل کے لیے جائز؟

غزہ میں خوشیاں لوٹ آئیں؟
فلسطینی اپنے ملبہ زدہ گھروں کے قریب جشن مناتے دیکھے گئے!

ان سب کو شمال سے، غزہ سٹی سے اور جنوب سے اسرائیل نے زبردستی ان کے گھروں سے نکال دیا تھا۔ مال و اسباب تباہ کر دیے تھے۔ جہاں ان کی انگلی ٹریگر پر سخت ہوئی، اس نے شیر خوار دیکھا نہ بوڑھا، بس مار دیا۔ ٹینک نے گولے اُگلے، جہاں گرا، قیامت کی علامات بنا گیا۔

ٹرمپ کا 20 نکاتی غزہ پلان آیا تو حماس نے خوش آمدید کہا۔ یہ کہہ کر اسے قبول کر لیا کہ امن بہر حال ضروری ہے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی۔ حماس کے تحفظات پر بات کرنا ٹھہرا۔ مصر کے شہر شرم الشیخ میں پلان پر عمل درآمد کے مذاکرات ہوئے۔ آٹھ مسلم ممالک ضامن ٹھہرے۔ عمل درآمد کا چھ نکاتی معاہدہ طے پا گیا۔

عمر الشتوی نے اے پی اے کے لیے رپورٹ تیار کی ہے۔ اس کے لیے لائیو سٹریمنگ سے مدد لی گئی ہے۔ صحافی ایمان الحسنی کی رپورٹ بھی اسی عنوان سے ہے۔ ہم اس سے بھی خبریں پیش کریں گے۔ مختلف شہری اور سرکاری اداروں کے ترجمان کیا بتا رہے ہیں، وہ سب بھی شامل کریں گے۔

شہری دفاع غزہ کے ترجمان محمود باصل سے جب صحافیوں نے گفتگو کی۔ ان سے رپورٹر سعید حسب اللہ بھی ملے۔ اس دوران میں ان فلسطینیوں سے بھی رائے لی گئی جو ٹرمپ پلان پر عمل درآمد کے معاہدے کے بعد جمع ہوئے تھے۔

باصل نے زوردار قہقہہ فضا میں بلند کیا:

''یہی لمحہ ہے جس کے ہم سب ہی منتظر تھے، سننے کو بے تاب تھے۔ ہمیں اس تمنا کے بر آنے میں دو سال لگے، پھر بھی سوچا، دیر آید، درست آید دو سال سے ہم مارے جا رہے تھے۔ ہمارے لوگ ہمارے بچے، مائیں، بہنیں اور بیٹیاں سب مارے جا رہے تھے۔ اب غزہ کے ہر ہر بچے کو مبارک کہ جنگ، یکطرفہ جنگ تھم گئی ہے۔''

9 اکتوبر کو ڈیل ہوئی۔ اسی شام محض چند گھنٹے ہی گزرے ہوں گے۔ لوگ خوشیاں مناتے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ اسرائیل کے طیاروں نے غزہ سٹی کے عین قلب میں ایک عمارت پر بمباری کر دی، چھ افراد جان سے گئے۔ مبارک باد دینے والے لاشیں اٹھانے لگے۔ اس موقع سے رپورٹ کرتے ہوئے سعید حسب اللہ کا کہنا تھا کہ شہری دفاع کے کارکن شہید و زخمی ہونے والوں کو نکالنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ بہت سے فلسطینی ملبہ تلے دبے ہوئے تھے۔

غزہ میونسپلٹی کے ترجمان عاصر عبدالنبی کے مطابق اسرائیلی فضائیہ پورے غزہ میں مختلف مقامات پر بمباری کر رہی ہے۔ پھر اگلا دن یعنی 10 اکتوبر طلوع ہوا۔ یہ عمل درآمد کا پہلا دن تھا۔ فلسطینیوں نے شمال کی جانب اپنے گھروں کو جانا شروع کر دیا۔

Drop Site News کے لیے واقعات و حالات کی ویڈیو عبدالقدر صباح بنا رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں:

''لوگ کسی بھی طرح غزہ سٹی پہنچ رہے ہیں۔ وہ پیدل بھی ہیں، موٹر رکشا بھی انہیں لا رہے ہیں، ٹرکوں میں واپس آ رہے ہیں، لیکن تباہی جس سکیل پر ہوئی ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔ شیخ رضوان مکمل تباہ ہے، یہی حال طل حوا کا ہے، نفق سٹریٹ ادھیڑ دی گئی ہے، ہر طرف بربادی ہے۔ اب زندگی جیسی بھی ہے، مختلف رنگوں میں واپس لوٹ رہی ہے۔''

ایک صحافی بسان عودہ نے تباہی پر دستاویز تیار کی ہے۔ وہ الزیتون میں کام کر رہے تھے۔ یہ 11 اکتوبر کا دن تھا۔

پھر ویک اینڈ آیا، فلسطینی مزاحمت کاروں نے عہد کیا کہ فوت ہو جانے والے یرغمالیوں کی باقیات جمع کرنے کا کام کریں گے۔ تمام تر زندہ یرغمالی ریڈ کراس انٹرنیشنل کی کمیٹی کے حوالے کر دیے جائیں گے۔ پھر مر جانے والوں کے باقیات کی باقاعدہ نشاندہی، زندہ

یرغمالیوں کوایک جگہ جمع کرنے کا کام شروع کر دیا گیا۔

ادھر اسرائیل نے فلسطینی یرغمالیوں اور قیدیوں کو جیلوں اور نظر بندی کیمپوں سے نکالنے کا کام شروع کر دیا۔ جب یہ نظر بند اور قیدی غزہ واپس لائے گئے تو ان کے کٹے پھٹے اور پرتشدد زدہ جسم تھے جو واپس آ رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر ہر آنکھ پُرنم تھی۔ انہیں اسرائیلی محافظوں نے انسانیت کو شرمادینے والے مراحل سے گزارا تھا۔

ان میں فوٹو جرنلسٹ شادی ابوسیدو بھی تھے جو 18 مارچ 2024ء کو اس وقت گرفتار کیا گیا تھا جب وہ الشفاء ہسپتال میں کام کر رہے تھے۔ انہوں نے 20 ماہ اسرائیلی اذیت برداشت کرتے گزارے تھے۔ وہ کہتے ہیں:

’’مجھے دو سال بھوکا رکھا گیا۔ جب مجھے پکڑا گیا تو بھوک مسلط کر دی گئی اور جب مجھے رہا کیا جا رہا تھا، اس سے پہلے بھوک پھر مسلط کر دی گئی۔ وہ فلسطینیوں کو بالکل برہنہ کر کے الٹا لٹکا دیتے تھے۔ گالم گلوچ کرتے، نازک حصوں پر ضربات لگاتے اور بری طرح سے توہین کرتے۔ وہ ہمیں بار بار کہتے: ’’ہم نے تمہارے سب بچوں کو مار دیا ہے، غزہ ہم نے چھین لیا ہے، اسے بھول جاؤ۔‘‘

ایک اور قیدی محمود ابو فاعل کہتے ہیں کہ مجھے نہایت بے دردی سے مارا گیا۔ تشدد کے معانی وہاں جا کر معلوم ہوئے۔ محمود کو دسمبر 2024ء میں کمال عدوان ہسپتال سے گرفتار کیا گیا تھا۔ اسرائیلی فوجی بری طرح سے سر پر تشدد کرتے رہے۔ دوران تفتیش محمود کی بینائی جاتی رہی۔

کمال عدوان ہسپتال کے محاصرے کے دنوں میں اسرائیلی فوج نے ہسپتال کے اندر موجود ہر ایک کو گرفتار کر لیا۔ یہ دسمبر 2024ء تھا۔ اسی دوران میں ڈاکٹر حسام ابوصفیہ کو پکڑا گیا۔ انہیں مسلسل حراست میں رکھا گیا۔ ان کا نام چھوڑے جانے والوں میں بھی تھا لیکن انہیں چھوڑا نہیں گیا۔ 16 اکتوبر کو اسرائیل کے ایک جج نے ڈاکٹر حسام کی نظر بندی میں احکامات ملنے پر مزید چھ ماہ کا اضافہ کر دیا۔ ان کے خلاف کوئی الزامات یا شکایات نہیں لگائی گئیں۔ انسانی حقوق کے اداروں نے ان کی نظر بندی غیر قانون قرار دیتے ہوئے اسے سیاسی مفادات کے حصول کا گندا کھیل کہا ہے۔ المیز ان گروپ نے واضح کیا کہ ان کی حراست اور نظر بندی کا کوئی بھی مناسب جواز اسرائیلی حکومت نے پیش نہیں کیا۔ وہ محض اس لیے گرفتار کیے گئے ہیں تا کہ کسی موقع کسی ڈیل میں ان کو استعمال کیا جا سکے۔

آخری چند دنوں میں اسرائیلی حکومت نے فوت ہو جانے والے قیدیوں اور نظر بندوں کو پورے اسرائیل سے قریبی نظر بندی کیموں میں شفٹ کیا۔ فلسطینیوں کے طبی ذرائع نے بتایا کہ تمام 45 فلسطینی فوت شدگان اس حال میں لائے گئے کہ ان کی آنکھوں پر کالی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، ان کو ہتھکڑیاں بھی لگی ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ فیلڈ میں ہی انہیں مار دیا گیا تھا۔ واپس کی جانے فلسطینی میتوں کی عدلی ابوطٰہ نے ویڈیو بنائی۔ بعض میتوں پر ٹریک ریکارڈ بھی نوٹ کیے گئے۔ ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان پر ٹینک چڑھا دیے گئے تھے۔

اسرائیل نے شکایت کی کہ اس کے فوت شدہ یرغمالیوں کے سارے باقیات حوالے نہیں کیے گئے۔ یہ اس کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ اس کی غزہ کے فلسطینیوں کو اجتماعی سزا ضرور دی جائے گی۔ اس سزا کو یوں نافذ کیا گیا کہ محاصرے اور ناکہ بندی کو سخت کر دیا گیا، غزہ میں داخل ہونے والی انسانی بنیادوں پر خوراک، ادویات سب روک لی گئیں۔ مصر کے ساتھ رفاہ سرحد کو پھر سے مکمل سیل کر دیا گیا۔

فلسطینی حکام نے بہت پہلے واضح کر دیا تھا کہ اسرائیلی یرغمالیوں کی باقیات صرف حماس کے پاس نہیں، دیگر مزاحمتی گروپوں سے رابطہ کیا گیا ہے، ان سے مثبت جواب آنے میں کچھ تاخیر ہو سکتی ہے۔ ان باقیات کو تلاش کرنا ہے اور اس پر کام کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ اسرائیل نے ان علاقوں کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا ہے۔ جہاں ان یرغمالیوں کی لاشیں یا باقیات رکھی گئی تھیں۔

15 اکتوبر کو حماس کے فوجی ونگ القسام نے اعلان کیا کہ ہم نے تمام شرائط اور وعدے پورے کر دیے ہیں جو اسرائیل کے یرغمالیوں کے بارے میں کیے تھے۔

’’تحریک مزاحمت اپنے عہد پر پوری طرح قائم ہے۔ اس کے لیے کیے گئے ہر نکتے کی مکمل پاسداری کی گئی ہے۔ تمام زندہ یرغمالی اسرائیل کے پہلے ہی حوالے کیے جا چکے ہیں۔‘‘

حماس نے مزید کہا کہ:

’’جہاں تک کچھ باقیات کا تعلق ہے، ان کے لیے کوششیں جاری ہیں۔ ان باقیات کو نکالنے کے لیے خصوصی آلات درکار ہیں۔ ہم اس باب کو مکمل کر کے اسے مستقل بند کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

اسرائیلی وحشیانہ بمباری میں اس کے درجن بھر یرغمالی مارے گئے تھے۔ الجزیرہ کے نمائندے طارق ابوعزام نے ایک رپورٹ میں بتایا کہ اب امداد برائے نام ہی غزہ میں داخل ہونے دی جا رہی ہے۔ ورلڈ فوڈ پروگرام کو بھی روزانہ صرف 12 ٹرک دیے جا رہے ہیں۔ معاہدے کے مطابق یہ تعداد 600 ٹرک روزانہ ہونا چاہیے۔

یورومیڈ ہیومن رائٹس مانیٹر نے بیان میں بتایا کہ غزہ میں خوراک اور پانی کے قحط کا خطرہ ہنوز اسی طرح موجود ہے۔ اسرائیل کی اس اجتماعی سزا کے تباہ کن اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

انسانی حقوق کے گروپ نے مزید بتایا کہ فیلڈ سے اس کے مانیٹرز کی رپورٹوں کے مطابق اسرائیل نے ڈیل پر سائن ہونے کے بعد سے صرف 173 ٹرک امداد غزہ میں داخل ہونے دی ہے۔ اس میں بھی ایندھن، کوکنگ گیس، خوراک اور اس نوعیت کی سپلائز برائے نام ہیں۔ میڈیکل سامان کی کیفیت بھی اسی طرح ہے۔

ایسے دن بھی گزرے ہیں کہ غزہ میں ایک ٹرک امداد بھی داخل نہیں ہونے دی گئی۔ پہلے کہا گیا کہ فلسطینی نظر بندوں کو رہا کیا جا رہا ہے۔ اب اسرائیلی باقیات کی وصولی میں تاخیر وجہ ہے۔ پھر کہا کہ یہودیوں کے سالانہ چھٹیوں کے ایام ہیں، کام نہیں کر سکتے۔ یہ سب اقدامات دراصل ڈیل سے انحراف اور اس کی سنگین پامالی میں آنے والی چیزیں ہیں۔

یہ حقیقت ہے اور سب اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ کسی بھی وجہ سے ڈیل میں یا امن منصوبے میں اجتماعی سزا کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ غزہ میں ہر حال میں بلا روک ٹوک انسانی امداد کا داخل ہونا اور عالمی تنظیموں کے ذریعے اس کا تقسیم ہونا لازمی ہے۔ منصوبے میں یہ ذکر نہیں ہے کہ اسرائیل کو قحط مسلط کرنے کی اجازت ہے۔

اس طرح کے اقدامات سے اسرائیل سراسر ہٹ دھرمی اور امن منصوبے کی پامالی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ کا ایک بھی بیان اس ظلم اور ناانصافی کو روکنے یا اس کا نوٹس ہی لینے کے حق میں نہیں ہے۔

یہ کہنا ایک بے فائدہ بات ہے کہ اسرائیل اس طرح سے بین الاقوامی انسانی قوانین، عالمی اصولوں اور امن پروگرام کو بھی پامال کر رہا ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون نافذ ہے۔

یہ کہا گیا تھا کہ حماس نے امن منصوبے کی مخالفت کی یا اس پر عمل نہ کیا تو اسے ختم کر دیں گے۔ شاید اسرائیل کے لیے ایسی کوئی دھمکی دی گئی اور نہ ہی دی جا سکتی ہے۔

منظرنامہ: ربیٰ میسون

نسلی منافرت اور نسل کشی: صہیونیت دست بردار نہ ہو سکی

’’فلسطینی مزاحمت نے ہتھیار نہیں رکھے‘‘ اور ’’وہ اسلحہ رکھنے پر بھی آمادہ نہیں۔‘‘ یہ باتیں Drop Site News کے شریک بانی جریمی سکاہل نے ایک لائیو انٹرویو میں کہیں۔ انہوں نے کہا:

’’ایک جوہری طاقت رکھنے والا ملک قومی ریاست کہلانے والا ملک، امریکہ کی مکمل پشت پناہی کے ساتھ، ناکام ہوگیا کہ وہ فلسطینی مزاحمت کاروں کو روک سکے جو ٹریک سوٹ پہنے، زیادہ تر دیسی طرز کے ہتھیار اٹھائے گھومتے نظر آتے ہیں۔‘‘

جنگ بندی مذاکرات کے دوران جریمی سکاہل تواتر سے حماس کے مذاکرات کاروں سے انٹرویوز کرتے، رپورٹیں تیار کرتے رہے ہیں۔

ایک معاہدے کا بالآخر اعلان کیا گیا۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے واضح الفاظ میں کہا کہ روزانہ 600 ٹرک سامان خورد ونوش اور ادویات لے کر غزہ میں داخل ہوں گے۔ اس سامان کو وہاں اقوام متحدہ کے اداروں کے حوالے کیا جائے گا۔ اس میں اسرائیل کا کوئی کردار نہیں ہوگا۔ غزہ خوراک فاؤنڈیشن بھی اس سارے عمل میں پرے رہے گی۔

ڈیل ہوتے ہی اسرائیل کی فوج غزہ سے ایک طے شدہ لائن کے پیچھے چلی گئی۔ ہزاروں لاکھوں بے گھر فلسطینیوں کو موقع ملا کہ وہ ملبے کا ڈھیر بنے اپنے گھروں کو جا سکیں۔

حماس نے تمام یرغمالی رہا کر دیے، مرنے والے یرغمالیوں کی فوری دستیاب باقیات بھی حوالے کر دیں۔ اسرائیل نے 2000 فلسطینی نظر بند اور قید سے رہا کر دیے۔

یہاں تک امریکی صدر کے منصوبے کے پہلے طے شدہ مرحلے کو مکمل کیا گیا۔ اسرائیل روزانہ کی بنیاد پر بمباری کر کے درجنوں فلسطینی شہید اور زخمی کر رہا تھا۔ یہ خیال کیا گیا کہ نسل کشی کا دو سالہ اختتام ہو گیا۔ فلسطینی جشن مناتے، خوشی کا اظہار کرتے ہوئے سڑکوں پر پھیل گئے۔ کیا ان کی یہ خوشی دائمی تھی؟ صہیونی منافرت ختم سمجھنے والے غلطی پر تھے، ڈونلڈ ٹرمپ خاموش ہو گئے تھے۔ پھر وہ کون سے دھوکے تھے جن سے پردہ اُٹھ رہا تھا۔ حماس کے دیسی طرز کے ہتھیاروں سے کون خوفزدہ تھا؟ امریکی صدر ٹرمپ اور اسرائیل کے وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کی پٹاریاں آگ اگلنے لگی تھیں۔ نسل کشی کے بارے میں یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ ختم ہو گئی ہے۔ غزہ کے جہاندیدہ فلسطینی اس سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ تھم ضرور گئی ہے، ختم نہیں ہوئی ہے۔ حماس کے رہنما کہہ رہے تھے کہ شرم الشیخ میں معاہدہ ہوا ہے، ڈیل ہوئی ہے، ہمیں ضمانتیں آٹھ ممالک نے دی ہیں۔ کیا پھر یہ سب ممکن ہو سکا؟

اس کے باوجود عمومی رائے یہی تھی کہ سارے غزہ کو ہر دم چوکنا رہنا ہوگا۔ یہ تمام جنگی و نسلی اور غیر انسانی جرائم مکمل طور پر بے نقاب ہو چکے ہیں۔ ہر ڈیل کے بعد نیتن یاہو کو ڈھیل دے دی جاتی ہے۔ ایک خبر رساں ادارے کے نائب سربراہ ایلمر کو یہ تشویش کھائے جا رہی ہے کہ جنگ بندی مذاکرات تک حماس اور اس کے ارکان نے مزاحمت کا راستہ ترک نہیں کیا۔ ان کا کمان اینڈ کنٹرول سسٹم کام کر رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب اس امر کی گواہی دے رہا ہے کہ وہ ایک لڑنے والی قوت ہے جو اپنے کمانڈرز کے حکم کی اسی طرح تعمیل کرتی ہے جس طرح جدید اسلحہ کے باوجود اسرائیلی قابض فوج کسی بھی علاقے کو محفوظ بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ غزہ سٹی اس کی ایک مثال ہے جس پر قبضے کے علانیہ دعوؤں کے باوجود قابض فوج کو خالی ہاتھ ہی غزہ خالی کرنا پڑا۔

اب سوال یہ بھی کیا جا رہا ہے کہ وہ کون سے عوامل تھے جن کی وجہ سے ٹرمپ کو مداخلت کرنا پڑی۔ نیتن یاہو کو واشنگٹن طلب کیا گیا۔ ان سے کہا گیا کہ نسل کشی ختم کرے اور جنگ بندی کی تیاری کرے۔ ٹرمپ کے اردگرد بہت اہم اور نمایاں شخصیات در پردہ سرگرم ہوئیں۔ ان میں ٹکر کارلسن، کینڈیس اوونز اور امریکی نامزد نمائندہ مارجوری ٹیلر گرین بھی شامل تھیں۔ ان شخصیات کو انفرادی طور پر کس نے متحرک کیا یا وہ اسرائیل کی زیر زمین کہیں بھی کامیابی کی نوید نہ بننے کا شکوہ تھا، یہ غیر ضروری باتیں ہیں۔ صدر ٹرمپ کو یہ خیال ستائے جا رہا تھا کہ سابق صدر باراک اوباما کو امن کا نوبل انعام مل جائے گا۔ سکاہل کا کہنا ہے کہ ایک صدر کے لیے قابل تحریک بننے والے عوامل میں یہ باتیں مہمل ہوتی ہیں لیکن ان کی ایک قیمت کسی بھی شخصیت کے لیے اہم بن جاتی ہے۔ اصل عامل یہ ہی رہا کہ اسرائیل حماس کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کی فوج، معیشت اور بین الاقوامی کردار سب برباد ہو گئے۔ دنیا اسے واقعی قابض قرار دینے لگی۔ اسرائیل جنگ سے کوئی بھی مقصد سوائے قتل عام اور بربادی کے ایجنٹ کی شہرت حاصل نہ کر سکا۔ اسے آخرکار اسی حماس سے مذاکرات کرنا پڑے جسے نیتن یاہو کم تر درجے میں بھی انسان نہیں سمجھتا تھا۔ امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ انتونی بلنکن انسان بھی نہیں، بل کہ اعداد و شمار قرار دیتا تھا۔

ٹرمپ نے ان شخصیات سے خود یہ کہا کہ اصل معاملہ ہی یہ ہے۔ نیتن یاہو اسرائیل کو پاتال تک لے گیا ہے۔ امن معاہدے کی صورت میں ٹرمپ نے انہیں زندہ رہنے کا راستہ دیا ہے۔ اس کا اصل نتیجہ ٹرمپ نے یہی نکالا کہ اسرائیل جیت نہیں رہا ہے۔ وہ شدید مزاحمت کا سامنا کر رہا ہے۔ ٹرمپ نے فوکس نیوز سے 18 اکتوبر کو کہا کہ میں نے نیتن یاہو سے بات کی ہے۔ میں نے اسے کہا:

’’اسرائیل دنیا سے نہیں لڑ سکتا۔ نیتن یاہو کو اچھی طرح سے اس کا علم تھا کہ حقیقت یہی ہے۔‘‘

حماس نے جنگ بندی کے لیے مذاکرات کا راستہ اختیار اس لیے کیا کہ وہ اس سال کے آغاز سے ہونے والے جنگ بندی معاہدے کے اسرائیل کے ہاتھوں پامال ہونے کے باوجود کہہ رہی تھی کہ اسے چار چھ ماہ کی کسی ڈیل میں نہیں، مستقل جنگ بندی اور اسرائیلی فوج کی مکمل واپسی سے ہی دلچسپی ہے۔ اس حماس کے مذاکرات کاروں نے ٹرمپ کو یہ پیغام دیا کہ وہ جنگ بند کرائیں۔ اگر ایسا ہوا تو وہ کسی بھی امن منصوبے کی حمایت کریں گے۔ وہ قیدیوں کی واپسی کی شرط رکھ رہے تھے جو اسرائیل کے لیے قابل قبول نہ تھی۔

یہ تھے وہ حالات جن سے اسرائیل اپنے ناکام زدہ زخم چاٹنے پر مجبور ہوا۔ حماس نے ٹرمپ کے امن منصوبے کو نمایاں تحفظات کے اظہار کے ساتھ قبول کر لیا۔ اب نیتن یاہو جھنجھلاہٹ میں غزہ پر بمباری کرا رہا ہے۔

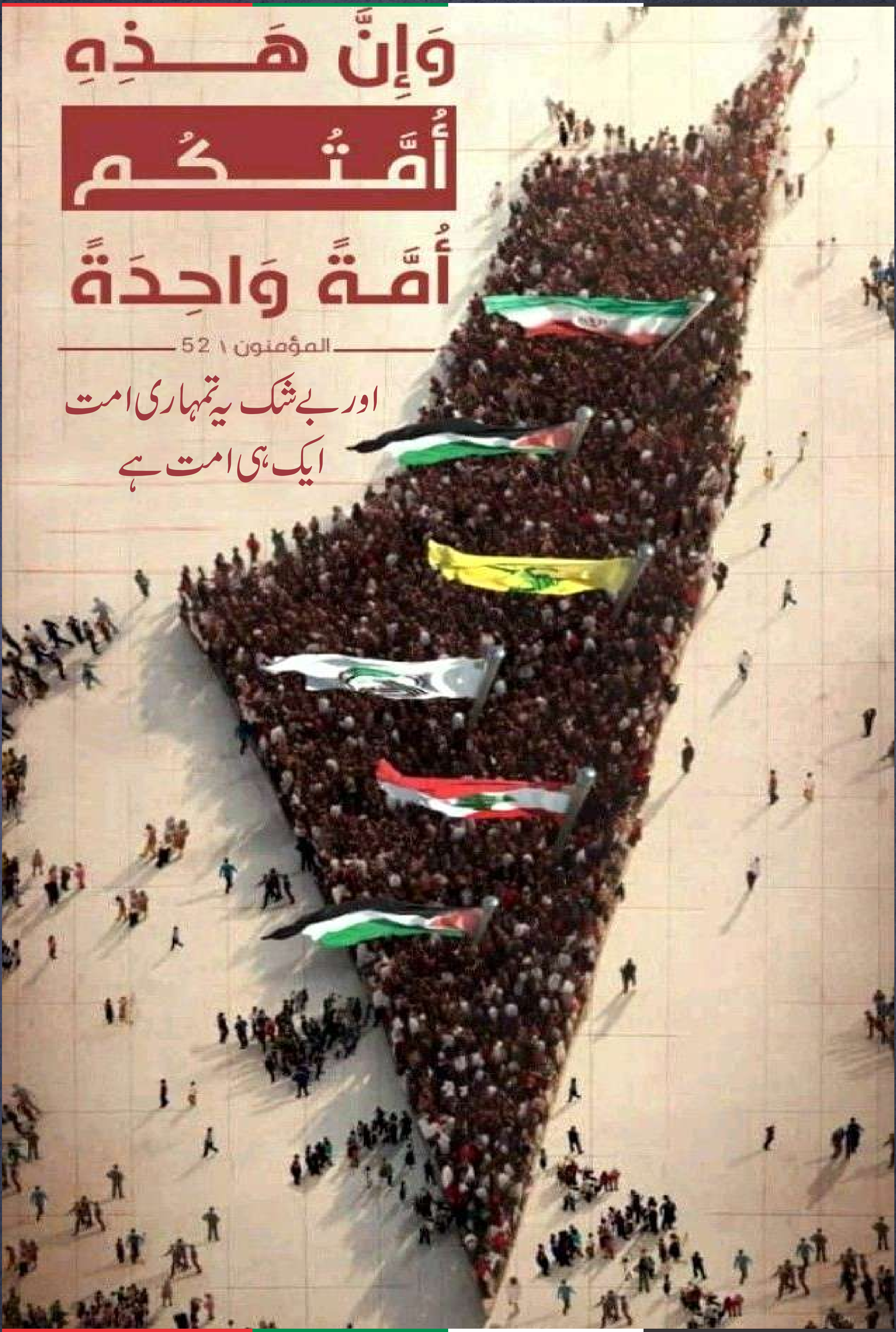
وَإِنَّ هَـٰذِهِ
أُمَّتُكُم
أُمَّةً وَاحِدَةً
المؤمنون \ 52
اور بے شک یہ تمہاری امت
ایک ہی امت ہے

سرسراہٹ دھرمی اور منصوبے کی پامالی کا مرتکب اسرائیل

جنگ بندی

معاہدے کے بعد اسرائیل کی خلاف ورزیاں